گلدستۂ توحید
مصنف
امام اہلسنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر
ناشر
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

جس میں قرآن کریم، احادیث صحیحہ، کتب تواریخ اور حضرات فقہائے احناف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی عبارات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مصیبت کے وقت مافوق الاسباب طریق پر غیر اللہ کو پکارنا ناجائز ہے شرک کی تردید کے علاوہ معترضین کے جملہ قابل ذکر استدلالات کے جوابات بھی درج کر دیئے گئے ہیں اور اصنام و اوثان کی پوری حقیقت بھی بیان کر دی گئی ہے

شائع کردہ

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

طبع ۲۲/۱۰ .... دسمبر ۲۰۰۸ء

نام کتاب .... گلدستہ توحید

مؤلف .... امام اہل سنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدھم

مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد .... ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت .... ۷۰/- (ستر روپے)

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی ☆ اسلامی کتب خانہ اڈا کاکی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ ☆ دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت ☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ ☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

دیباچہ طبع ہفتم

مُبَسْمِلاً وَّ مُحَمِّداً وَّ مُصَلِّیاً

اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ہے کہ گلدستۂ توحید کو جو سرسری طور پر لکھا گیا تھا حد سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں وہ یکساں ذوق و شوق کے ہاتھوں سے لیا گیا۔ اور محبت ہی نہیں بلکہ عشق کے دل و دماغ سے سوچا گیا اور عقیدت کی آنکھوں سے پڑھا گیا۔ عربی اور دینی مدارس کے علاوہ انگریزی مدرسوں، اسکولوں، کالجوں اور دیگر مختلف مجلسوں میں پڑھا گیا اور اس سے فائدہ اٹھایا گیا حتیٰ کہ اکثر جید اور محقق علماء کرام نے اسے بہت زیادہ پسند فرمایا، اور یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سابق ایڈیشنوں کی طرح چھٹا ایڈیشن بھی ختم ہو کر بالکل نایاب ہو گیا۔ اب بعض درد دل رکھنے والے دوستوں نے اس کی طباعت ہفتم کا انتظام کر دیا ہے، خدا تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اس ایڈیشن میں بعض اکابر اور احباب کے مزید مفید مشورے اور بعض ضروری ترامیم بھی شامل ہیں اور بظاہر یہ کہنا صحیح ہے کہ گلدستۂ توحید کا یہ مکمل اور آخری و صحیح ایڈیشن ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ یہی طبع ہوتا رہے گا۔

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

۸ رجب ۱۳۹۵ھ

۱۸ جولائی ۱۹۷۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِيْمِ

مقدمہ

قارئین کرام: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں نہ کوئی سچا آدمی پیدا ہوا اور نہ پاکباز۔ ان کی صداقت، امانت، عدالت، عفت، سخاوت، صلہ رحمی، مہمان نوازی، کمزوروں سے ہمدردی اور وعدہ وفائی وغیرہ بے شمار خوبیوں میں دنیا اُن کی نظیر پیدا کرنے سے قاصر رہی ہے، اور تا قیامت قاصر رہے گی، اور اُن کی ان خوبیوں کا اقرار اُن کے دشمنوں اور مخالفوں کو بھی صاف لفظوں میں کرنا ہی پڑا ہے۔ لیکن اس کے باوجود سب سے زیادہ تکلیف کا سامنا حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کو کرنا پڑا ہے اور جناب سید الرسل، فخر الانبیاء، اور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسانوں میں سب سے زیادہ مصائب اور امتحانات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو برداشت کرنے پڑے ہیں۔ پھر اُن کو جو اُن کے قریب تر ہوں۔ پھر اُن کو جو اُن کے قریب تر ہوں۔ (او کما قال۔ مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ ۱۳۶ بحوالہ ترمذی جلد۲ صفحہ ۶۴ وقال حسن صحیح)

اور ان سب سے بڑھ کر مصائب و آلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برداشت کئے ہیں۔ آپ کو دشمنوں نے پتھر برسا کر لہولہان کیا، شعب ابی طالب میں محبوس کیا۔ تمام قوم نے بائیکاٹ کیا۔ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ کی گردن مبارک پر اوجھڑی ڈالی گئی۔ ایک مرتبہ آپ کے

گلے مبارک میں چادر لپیٹ کر اس زور سے آپؐ کو کھینچا گیا کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑگئیں۔ آپؐ کو گالیاں دی گئیں۔ جب آپ باہر نکلتے تو شریر لڑکے آپؐ کے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے۔ ایک شقی اور بدبخت نے آپؐ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی اور ایک موقع پر آپؐ کو شہید کرنے کا پورا پورا انتظام کر دیا گیا کہ اچانک حضرت ابوبکرؓ آگئے اور پُر زور مداخلت کر کے آپؐ کو دشمنوں کے نرغے سے نکالا اور یہ فرمایا کہ اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ میری پرورش کرنے والا صرف ایک ہی ہے۔ غرضیکہ دشمنوں نے آپؐ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کہنے والوں نے کیا کچھ نہ کہا حاسدوں نے کس بات سے دریغ کیا جو بغض اور حسد میں نہ کہی جاتی ہو۔ مفسدوں کی مفسدہ پردازی، موذیوں کی ایذا اور ظلم وجور کی وہاں کیا کمی تھی۔ کبھی کاہن کہا کبھی ساحر، کبھی مجنوں بنایا تو کبھی مفتری ٹھہرایا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اور آپؐ کے جاں نثاروں پر جو جانگداز واقعات گزرے، ان کو پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ پر ظلم وجور

حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے نازک مقام پر برچھی مار کر شہید کر دیا۔ حضرت یاسرؓ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔ حضرت بلالؓ کو کڑکتی دھوپ میں ریت پر لٹایا گیا اور سینے پہ وزنی چٹان رکھی گئی۔ حضرت خبابؓ کو جلتے کوئلوں پر لٹا کر ان کی چھاتی پہ پاؤں رکھے گئے تاکہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ حضرت ابوفکیہؓ کے پاؤں میں رسّی باندھ کر اُن کو گھسیٹا گیا۔ حضرت لبینہؓ کو حضرت عمرؓ کفر کی حالت میں اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے اور کہتے تھے کہ میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ اس لیے چھوڑا ہے کہ میں تھک گیا ہوں۔ حضرت زنیرہؓ کو اس قدر مارا گیا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حضرت عثمانؓ کو چچا

نے رسی سے باندھ کر پیٹا۔ حضرت ابوذرؓ کو کعبہ میں مارتے مارتے لٹا دیا گیا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کو چچا نے چٹائی میں باندھ کر اُن کی ناک میں دھواں دیا۔ حضرت سعیدؓ بن زید کو رسیوں سے باندھا گیا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو حرم کعبہ میں اتنا مارا گیا کہ اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ حضرت صہیبؓ کو پانی میں ڈبکیاں دی گئیں۔ حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ کے ناحق خون سے کعبہ کے پاس مسجد حرام کی زمین رنگین کی گئی۔ (یہ تمام واقعات کتب حدیث، تاریخ اور سیر میں مذکور ہیں) غرضیکہ مسلمانوں پر مصائب و آلام کا ایسا طوفان برپا کیا گیا کہ بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت اختیار کر کے دشمنوں سے جان بچائی اور جو مکہ میں رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہے اُن کو بھی تختۂ مشق بنایا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسے بزرگ بھی مجبور ہو کر مکہ سے حبشہ ہجرت کرنے پر تیار ہو گئے مگر ابن دغنہ کافر کی مداخلت سے ان کا یہ ارادہ ملتوی ہوا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۲)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تکالیف جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ کو دی گئیں ان کا سبب، علت اور وجہ کیا تھی؟ کیا آپ مشرکین کو خدا کی ہستی اور ذات منوانا چاہتے تھے اور وہ اس کا انکار کرتے تھے؟ قطعاً نہیں۔ تمام مشرکین عرب خدا تعالیٰ کو آسمان اور زمین کا خالق اور رازق بلکہ مدبر امر اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا مانتے تھے جس کی پوری تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیا آپ ان کے سامنے شریعت کے اوامر (یعنی نماز، روزہ، حج، قربانی وغیرہ) پیش کرتے تھے جن کے ماننے میں مشرکین کو تامل تھا؟ یہ بھی نہیں کیونکہ یہ تمام عبادات کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی تھیں، ان کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

تو کیا آپ ان کے سامنے نواہی (یعنی شراب، نکاحِ متعہ، بے پردگی، حرام جانوروں کے کھانے سے روکنا وغیرہ) پیش کرتے تھے۔ جس سے وہ تنگ

سکے اور آپ کا مقابلہ کیا؟ لیکن یہ بھی نہیں۔ کیونکہ نواہی کا حکم بھی عرصہ کے بعد نازل ہوا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تو کیا انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے جھوٹ سُنا تھا (عیاذاً باللہ تعالیٰ) جس کی پاداش میں مصائب کا یہ بے پناہ طوفان اُمڈ آیا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشرکین عرب کا جناب رسول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذات بابرکات کے محاسن پر اتفاق تھا کہ آپ ہمیشہ سچ کہتے اور جھوٹ سے بچتے رہے ہیں، ذیل کے دلائل ملاحظہ فرمایئے :۔

(۱) ایک مرتبہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تمام قبائل قریش کو کوہِ صفا پر دعوت دی اور اُن سے پوچھا، بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکرِ جرّار اس پہاڑی کے پیچھے تم پر حملہ کے لیے تیاری کر رہا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے۔

قالوا نعم ما جربنا علیک الّا صدقاً وفی روایۃ ما جربنا علیک کذباً۔ (بخاری ج۲ ص۷۰۲، مسلم ج۱ ص۱۱۴)	انہوں نے کہا ضرور ہم نے آپ سے سچ ہی سُنا ہے (اور ایک روایت میں ہے) ہمارا تجربہ ہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔

خدائے واحد کا منادی اور توحید کا پیغامبر خدا کی یکتائی کا پیغام لے کر صفا کی چوٹی پر اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ نہ کوئی یار و مددگار ہے نہ ہمدرد اور غمخوار۔ تنہا خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتا ہے۔ مگر افسوس کہ جب آپؐ نے مسئلہ توحید بیان کرنا شروع کیا تو سب بگڑ گئے اور آپ کی شان میں گستاخیاں کر کے واپس چلے گئے مگر حق کی آواز کو نہ روک سکے بقول مولانا حالی ؒ

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

(۲) سنہ ۶ھ میں ہرقل روم نے حضرت ابوسفیان رضؓ اور ان کے چند دیگر تجار رفقاء

کو (یہ سارے اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) بلا کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کئے جن میں دو سوالات یہ بھی تھے :۔

۱۔ کیا اس (یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ کہا ہے ؟

حضرت ابوسفیانؓ نے بھرے مجمع میں اقرار کیا "نہیں"۔

پھر سوال ہوا :۔

۲۔ اس نے کبھی غدر بھی کیا ہے ؟

حضرت ابوسفیانؓ نے کہا : نہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۴ مسلم ج ۲ ص ۹۷)

آپ حیران ہوں گے کہ پھر بات کیا تھی کہ مشرکین آپ کا ساتھ نہیں دیتے تھے۔ آئیے، قرآن کریم اور حدیث کی روشنی میں غور کریں کہ در اصل ان کا جھگڑا کیا تھا! ایک دفعہ ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی بھی کرتے ہیں :۔

وتصدق الحدیث، ولا نکذبك ولکن نکذب الذی جئت به۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲ مستدرک ج ۲ ص ۳۱۵)

اور باتیں بھی سچی کرتے ہو۔ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کو آپ لے کر آئے ہیں۔

اس پر قرآن کریم میں ذیل کا ارشاد نازل ہوا :۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ۔

ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(پ ۷، انعام، رکوع ۴)

مذکورہ حدیث اور قرآنی آیت سے یہ ثابت ہوا کہ مشرکین (خصوصاً ابوجہل جو اسلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بڑا دشمن تھا) آپ کو سچا اور با اخلاق مانتے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

اس مضمون سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ابوجہل وغیرہ مشرکوں کو توحید سے عناد تھا نہ کہ ذاتِ رسول اور اُن کے مکارمِ اخلاق سے۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ کیا آیات اللہ میں سارا قرآن داخل ہے جس کا مشرکین کو انکار تھا یا اس کا کچھ حصہ تھا؟ اور وہ حصہ تھا تو کون سا تھا؟ ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالٰے ارشاد فرماتا ہے:۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

(پ۱۱، سورہ یونس، رکوع ۲)

اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تو کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال۔ تو (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہہ دے کہ میرا کام نہیں کہ بدل ڈالوں اس کو اپنی طرف سے، میں تو اتباع کرتا ہوں اسی حکم کا جو آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں، اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی، بڑے دن کے عذاب سے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین کا یہ مطالبہ تھا کہ کوئی اور قرآن ان کے سامنے پیش کیا جائے تو اس کو تسلیم کرلیں گے۔ اور اگر یہی (موجود) قرآن ان کو منوانا ہے تو اس میں ذرا تبدیلی اور ترمیم کر دی جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ وہ کون سی تبدیل اور ترمیم چاہتے تھے؟ ان کو قرآن کریم کے کس مضمون، بیان اور حکم سے انکار تھا؟ اور کس حکم پر ان کو تعجب اور تحیر تھا؟ سو وہ بھی قرآن کریم اور حدیث سے سن لیجئے۔ مشرکوں نے کہا:۔

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (پ۲۳، ص، رکوع ۱)

کیا اس پیغمبر نے اتنے الٰہوں کا ایک ہی الٰہ بنا دیا ہے۔ یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کو زیادہ تر اختلاف، قرآن کریم کے اس حقیقت سے تھا جس میں صرف ایک ہی الٰہ کے تسلیم کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ صرف ایک ہی الٰہ کو ماننا مشرکین عرب بلکہ تمام مشرک اقوام کے معتقدات کے خلاف تھا اس لیے انھوں نے اس سے انکار کرنے میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (پ۲۳، صٰفّٰت، ع۲)

وہ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو وہ غرور (اور انکار) کرتے تھے۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین کا تکبر اور انکار صرف اللہ کو ایک الٰہ ماننے سے تھا۔ اس پر ان کو تعجب بھی ہوتا تھا اور اسی جزو کی ترمیم کا انھوں نے مطالبہ بھی پیش کیا تھا جس کا جواب ابھی گزر چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دفعہ سوق ذوالمجاز میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اور آپ نے مجمع میں مخصوص کر فرمایا کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ابوجہل نے آپ پر خاک پھینک دی اور لوگوں کو کہا، خبردار! اس کے فریب میں نہ آنا۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۶۳)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوق ذوالمجاز میں ایک دفعہ ارشاد فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔

اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

لہ اور حضرت بلال ؓ ایسے ہی موقع پر مشرکوں کی انتہائی اذیت کو خندہ پیشانی اور بڑی بہادری سے برداشت کرتے ہوئے احد احد کہتے تھے یعنی الٰہ ایک اور صرف ایک ہی ہے۔

تو ابولہبؓ نے کہا :-

إِنَّهُ صَابِئٌ كَاذِبٌ (مسند ج ۴ ص ۶۱) بے شک وہ بے دین جھوٹا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

یہ وہی ابوجہل ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا مانتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ آپ کو ہم نہیں جھٹلاتے۔ لیکن جو مسئلہ توحید آپ پیش کرتے تھے اس کو سُن کر وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا بس یہی حال آج بھی ہے کہ شرک کے شیدائی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا مانتے اور عقیدت کا دم تو بھرتے ہیں (گویا محبت کے ٹھیکیدار یہی لوگ ہیں) مگر جو مسئلہ آپؐ نے بیان فرمایا تھا اس کا انکار بھی ہے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ تمام تکالیف صرف خدا تعالیٰ کی الوہیت اور توحید خالص سنانے کی وجہ سے پیش آئیں اور حقیقت میں توحید کا لطف ہی جب آتا ہے کہ اس کو صاف اور کھلے لفظوں میں بیان کر کے صرف ایک ہی خدا کو حاجت روا اور مشکل کشا اور مسجود یقین کیا جائے گو دُنیا سب ہی ناراض ہو جائے ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

لہ ہجرت سے قبل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منیٰ میں لوگوں کو یہ دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تو ابولہب نے کہا کہ یہ تمہیں دین آباء سے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ایک نہ سنو۔ (مسند ج ۴ ص ۳۴۱)

بابِ اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَلَآ اِلٰهَ مَعَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ وَلَامِثْلَ لَهٗ وَلَامِثَالَ لَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

قرآن کریم نے جتنا زور شرک کی تردید اور توحید کے اثبات پر دیا ہے اتنا زور کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں دیا۔ اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر جناب سیدالرسل و خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جتنے بھی خدا کے نبی اور رسول تشریف لائے ان کی پہلی دعوت ہی یہی رہی ہے کہ :- مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ - اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی بھی اِلٰہ نہیں لہٰذا اسی ہی کی عبادت کرو۔ آئندہ اوراق میں انشاء اللہ تعالیٰ عرض کیا جائے گا کہ مشرکوں کو رب، عبادت، اور اِلٰہ ہی کے معنی میں غلط فہمی ہوئی اور اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر وہ جادۂ توحید سے بھٹک کر شرک کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ اختصاراً قرآن کریم کی چند آیات ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں، جن میں شرک کی نہایت وضاحت سے تردید کی گئی ہے :-

(۱) حضرت لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (پ ۲۱، لقمان ع ۲)

اے پیارے بیٹے! شریک نہ ٹھہرا اللہ کا بے شک شریک ٹھہرانا بھاری بے انصافی ہے۔

اگرچہ دنیا میں حق تلفی اور بے انصافی عام ہے لیکن اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بے انصافی نہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا جائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنا قانون بیان فرماتے ہیں:-

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا (پ ۵، نساء ع ۷)

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک ٹھہرائے، اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اس کا، اس نے بڑا طوفان باندھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اٹل قانون (حرف اِنَّ کے ساتھ جو تحقیق کے لیے ہوتا ہے) بیان کر دیا ہے کہ مشرک کی بخشش کسی صورت میں نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ شرک سے توبہ نہ کرلے۔ اور شرک سے نیچے دوسرے گناہ خدا تعالیٰ کی مشیت میں داخل ہیں۔ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے مناسب سزا دے۔

(۳) ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:-

إِنَّهٗ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (پ ۶، مائدہ، ع ۱۰)

بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا۔

اس آیت میں بھی نہایت ہی وضاحت اور تاکید سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ شرک کرنے والا کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور جہنم سے اسے کبھی رہائی نصیب نہیں ہو سکتی وہ ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم اور جہنم میں

مفید نہ ہوگا، اور اس کی مدد بھی کوئی نہیں کر سکے گا۔

(۴) آپ کو معلوم ہوگا کہ صرف پچیس پیغمبروں کے نام قرآن کریم نے بتائے ہیں۔ بقیہ حضرات الانبیاء النبیین اور الرسل میں اجمالاً بیان کیے گئے ہیں۔ اور ان میں اٹھارہ حضرات کا نام ایک ہی رکوع میں ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ اکابر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کا ذکر صرف ایک ہی رکوع میں تصریح کے ساتھ آیا ہے، یہ ہیں:۔

حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ اور حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

ان اکابرین کے ناموں کے بعد اجمالاً دوسروں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (پ ۷، الانعام ۱۰)

اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو ان کے باپ دادوں میں سے اور ان کی اولاد میں سے اور بھائیوں میں سے، اور ان کو ہم نے پسند کیا اور سیدھی راہ پر چلایا۔

الغرض اٹھارہ حضرات کا نام لے کر اور باقی بزرگوں کا مِنْ اٰبَآئِهِمْ الخ میں اجمالاً ذکر کر کے گویا تمام پیغمبروں کا بیان کر دیا گیا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (پ ۷، الانعام، ر ۱۱)

اور اگر وہ لوگ بھی شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔

حضرات! اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ شرک کتنی مضر اور بری چیز ہے کہ اگر بالفرض خدا تعالیٰ کے پیغمبروں سے بھی اس کا صدور ہوتا تو ان کے اعمال بھی بالکل ضائع ہو جاتے اور ان کو کوئی بھی نیکی کا کام مفید نہ ہو سکتا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے

ارشاد فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔

(پ ۲۴ (زمر ۔ ع ۷))

اور البتہ تحقیق حکم دیا جا چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے اگلوں کو کہ اگر تو نے شرک کیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں میں۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ نبی کا ہر کام مقبولِ خدا ہوتا ہی ہے۔ بالفاظِ دیگر نبی کے ایک عمل کا اور اُمّت کے سارے اعمال کا بھی اگر موازنہ کیا جائے تو میرا اور میرے تمام اکابر کا یہ اعتقاد ہے کہ نبی کا ایک ہی عمل تمام اُمّت کے اعمال سے بڑھ جائے گا۔ مگر بایں ہمہ ارشادِ خداوندی یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ سے بھی شرک صادر ہو جائے تو آپکے اعمال بھی اکارت ہو جائیں گے (نبی سے شرک کا صدور امر محال ہے لیکن صرف اُمّت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔)

خلاصہ امر یہ ہے کہ شرک کرنا ظلم عظیم ہے اور ہمیشہ کے لیے مشرک بخشش خداوندی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس پر جنّت بھی حرام ہو جاتی ہے اور وہ ابد الآباد تک جہنّم کا ایندھن بھی بنا رہیگا۔ اور شرک اتنی قبیح چیز ہے کہ اگر بالفرض پیغمبروں سے بھی اس کا صدور ہوتا تو اُن کے اعمال بھی اکارت ہو جاتے اور یہ محکم حکم اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کر چکا ہے۔ اسی طرح آپ سے پہلے بھی دوسرے پیغمبروں پر اسی مضمون کی وحی نازل فرما چکا ہے۔ الغرض شرک سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا باغی اور نافرمان دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا :-

اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَکَ

(بخاری جز ۲ صفحہ ۱۱۰ مسلم ا ص ۶۳)

کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا۔

[illegible] تشریح [illegible] ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئیگی

باب دوم

مشرک حالتِ شرک میں جو بھی عبادت اور کارِ خیر کرتا ہے یا کرے گا، اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کی کوئی بھی قدر و منزلت نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے درجہ قبولیت حاصل ہو سکتا ہے۔ ذیل کے دلائل غور کے ساتھ پڑھنے سے آپ کو بخوبی یہ امر معلوم ہو جائیگا۔

(١) مشرکین مکہ نے اپنی بعض عبادتوں کا ذکر کیا تھا کہ ہم بھی نیکی کے کام کیا کرتے ہیں، مثلاً مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور (پردیسی مسافر) حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ (پ۱۰، توبہ، ع۳)	کیا تم نے کر دیا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا، برابر اس کے جو ایمان لایا اللہ پر، اور قیامت کے دن پر اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک۔

جناب رسول خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لیے مسجد تعمیر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک مخصوص قسم کا محل تیار کرے گا۔ (بخاری ج۱ ص۲۱۵ و مسلم ج۱ ص۲۰۱) اور مسجد بھی کوئی شاہی مسجد نہیں، بلکہ اتنا مبالغہ فرمایا کہ اگرچہ وہ کونج (پرندہ) کے گھونسلے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

(ابوداؤد طیالسی ص۲۴۱ و ابن ماجہ ص۵۴)۔

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مشرکینِ مکہ نے جن میں ابوجہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، ایک معمولی مسجد ہی نہیں بلکہ اُمّ المساجد تعمیر کی تھی۔ لیکن ان کے لیے جنت میں محل تو کیا تیار ہوگا وہ کبھی جنت میں داخل ہی نہیں ہو سکتے۔ اور مسجد حرام کا چندہ جس خلوص سے مشرکین نے جمع کیا، وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔

ابو وہب بن عابد مسجد حرام کا متولی تھا۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ مسجد حرام میں حلال و طیب مال ہی لگایا جائے گا۔ کوئی شخص حرام کار عورتوں کی آمدنی اور سود کی رقم اور دیگر ظلم سے حاصل کی ہوئی رقم چندہ میں ہرگز نہ دے۔

(عمدۃ القاری علی البخاری ا ص۲۱۵ حاشیہ)

یہی وجہ تھی کہ حلال و طیب چندہ اتنا جمع نہ ہو سکا جس سے وہ ساری مسجد کے اوپر چھت ڈال سکتے۔ مجبوراً ان کو مسجد کا ایک حصّہ باہر نکالنا پڑا جس کو حِجر اور حطیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (بخاری ا ص۲۱۵) مسجد سے اس جگہ صرف کعبہ کا حصّہ مراد ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج مبرور (یعنی حلال کی کمائی اور خلوص نیت کے ساتھ حج) کرے، وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوا۔ (بخاری ج ا ص۲۰٦ و مسلم ج ا ص۴۳٦)

لیکن مشرکینِ عرب اور اہلِ مکہ میں سے کوئی ایسا مشرک نہیں ثابت ہو سکتا جس نے کبھی حج نہ کئے ہوں۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر طواف کر سکتا ہے۔ (بخاری ا ص۲۲ و مسلم ا ص۴۳۵) مگر اہلِ اسلام جانتے ہیں کہ مشرکوں کے یہ حج بالکل ضائع اور اکارت گئے ان کو ان کے عوض کوئی ثواب

حاصل نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: حاجی سے جو گناہوں کی معافی کا وعدہ ہوتا ہے، وہ ایسے گناہ ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہوگا۔ باقی رہے وہ گناہ جن کا تعلق عباد کے ساتھ ہے وہ معاف نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ وہ اصحاب حقوق کو دیئے نہ جائیں۔ یا ان سے معافی نہ لی جائے۔ (اور کما قال من حلیؒ اللہ تعالیٰ اسی طرح نماز اور روزہ بھی قضا ادا کئے بغیر معاف نہیں ہوتے)

③ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ رکھنے سے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص۱۷۹ و مسلم ا ص۳۶۷)

اور مشرکین قریش عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (بخاری ا ص۲۶۸ و مسلم ا ص۳۵۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قریش ایام جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور یہ روزہ طلوع فجر سے شروع ہو کر غروب آفتاب پر ختم ہوتا تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص۱۲۹)

لیکن اس کے باوجود کسی مسلمان کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ یہ کہہ دے کہ مشرکین کو بھی صوم عاشورہ مفید ہو سکتا ہے۔

④ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک غلام آزاد کرے اللہ تعالیٰ آزاد کرنے والے کے ہر ہر عضو کو جہنم سے محفوظ رکھے گا (او کما قال مشکوٰۃ ص۲۹۳ وقال متفق علیہ) اور عاص بن وائل نے مرتے وقت اپنے لڑکے ہشام بن وائل کو وصیت کی تھی کہ غلام آزاد کرنا۔ چنانچہ اس نے پچاس غلام آزاد کیے۔ (ابوداؤد ج۲ ص۴۳)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا عاص کو اس سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتا تو تم غلام آزاد کرتے یا صدقہ دیتے یا حج کرتے، تو اس کو فائدہ پہنچتا۔ مگر اب کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ (ابوداؤد ج۲ ص۴۳)

⑤ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قربانی جو ہم کرتے ہیں وہ کیوں؟ آپ نے فرمایا۔ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، پوچھا گیا کہ ہم کو اس کا کیا ثواب حاصل ہو گا؟ آپ نے فرمایا، ہر بال کے عوض نیکی ملے گی۔

(او کما قال مشکوٰۃ ص ۱۲۹ وقال رواہ احمد وابن ماجہ)

انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ حوالے سے کہ بتایا جائے گا کہ مشرکین قربانی بھی کیا کرتے تھے لیکن ان کے لیے نہ قربانی مفید ہو سکتی ہے، نہ ہی دیگر کارِ خیر اس لیے کہ اصلی اور بنیادی چیز (توحید) ان میں مفقود تھی۔ معلوم ہوا کہ مشرک کا کوئی بھی عمل عند اللہ تعالیٰ مقبول نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار نیکی کے کام وہ کیا کرتے تھے جن کا ذکر آئندہ اپنے موقع پہ ہو گا (انشاء اللہ تعالیٰ)

قارئین کرام! جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مشرک کی کوئی بھی عبادت مقبول نہیں ہو سکتی اسی طرح یہ بات بھی بالکل عیاں اور قطعی ہے کہ مشرک کے لیے کسی دوسرے کی دعائے مغفرت اور صدقہ وخیرات بھی ہرگز مفید نہیں ہو سکتی۔ دلائل ذیل بغور دیکھئے۔

① آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حقیقی چچا (عبد مناف) ابوطالب کی مغفرت کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝	لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اگرچہ وہ ہوں قرابت والے جب کہ کھل چکا ان پہ کہ وہ ہیں دوزخ والے۔

(پ ۱۱، توبہ، ر ۱۴)

چنانچہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کرنا بھی ترک کر دی۔ (بخاری ۲ ص ۶۷۵ و مسلم ۱ ص ۴۰)

آپ جانتے ہی ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

بڑھ کر خدا تعالیٰ کا پیارا اور مقبول بندہ اور کوئی نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ قلندر لاہوری علامہ اقبالؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

لیکن آپ کی اپنے حقیقی چچا کے لیے بھی دعا قبول نہ ہوئی بلکہ دعا ہی سے آپ کو روک دیا گیا۔ کیونکہ چچا شرک کی حالت میں مرا تھا اور اس کے لیے کوئی بھی دعا مفید نہ ہو سکتی تھی۔ حالانکہ کم و بیش اڑتیس ۳۸ سال چچا نے آپ کی وہ خدمت کی جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین (جس نے زبانی طور پر کلمۂ توحید تو پڑھ لیا تھا مگر دل میں بدستور کفر اور شرک موجود تھا) کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کے لیے دعائے مغفرت بھی کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (پ۱۰، توبہ، ع۱۰)

آپ منافقوں کے لیے معافی مانگیں یا نہ مانگیں۔ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت نازل ہو گئی۔ (بخاری جـ۲ ص۶۷۳)

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ کی مغفرت کے لیے اپیل کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا:۔

اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ کہ بے شک میں نے کافروں اور مشرکوں

کے لیے جنت حرام کردی ہے۔ (مشکوٰۃ ص۲۴۳ متفق علیہ)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے اولوالعزم نبی کی دعا مشرک والد کے حق میں قبول نہ ہو سکی اور جب حضرت محمد مصطفٰے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا اپنے حقیقی چچا کے لیے اور عبداللہ بن اُبی کے لیے قبول نہ ہو سکی تو دوسروں کی دعائیں مشرکوں کے حق میں کیونکر درجۂ قبولیت پا سکتی ہیں؟ کیونکہ نبی کی دعا کا اثر ہی جداگانہ ہوتا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے مطابق بہت ہی اونچا اور بلند مقام رکھتے ہیں مگر چونکہ دربارِ خداوندی میں مشرک کے لیے دعا قبول ہی نہیں ہو سکتی اس لیے اللہ تعالٰے نے ان حضرات کو دعا ہی سے روک دیا۔ اگر دعا کی بھی تو وہ قبول نہیں فرمائی۔

قرآن کریم اور احادیث میں جہاں شرک کی تردید آئی ہے وہاں نہایت ہی تعمیم کے ساتھ اس کی تردید کی گئی ہے۔ جس سے اور زیادہ تعمیم سمجھ میں نہیں آسکتی۔ آپ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں۔

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت اللہ کی جگہ کا انتخاب کر کے تعمیر کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:۔

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا (پ ۱۷، حج، ر ۳) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔

② حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیل خانہ کے اندر اثنائے تقریر میں فرمایا کہ میں اپنے آباء و اجداد یعنی حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی اتباع اور پیروی اختیار کر چکا ہوں۔ آگے فرماتے ہیں:۔

مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (پ ۱۲، یوسف، رکوع ۵) ہمیں کسی طرح بھی یہ لائق نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔

③ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو اس چیز کی دعوت دیں

کہ آؤ ایک ایسی چیز کی طرف جو ہماری اور تمہاری مسلم ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کریں۔

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا (پ، آل عمران ع) اور یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھرائیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور۔

وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ط (پ، نساء، ع۲) اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۵) مشرکین عرب نے اپنی خواہشات کے مطابق بہت سی چیزیں حلال اور حرام کر دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ان سے کہہ دیں کہ آؤ میں تمہیں ان چیزوں کی فہرست سناؤں جو تمہارے رب نے تمہارے اوپر حرام کی ہیں۔ (ایک یہ ہے) :۔

اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا (پ۸، انعام ع۴) کہ تم خدا کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو زمین کی خلافت دینے کا وعدہ کیا ہے اور ان کی چند نشانیاں اور علامتیں بھی بتلائی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے :۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ط (پ۱۸، نور، ع۶) میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گے۔

(۷) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آپ کے پاس ایمان لانے کی غرض سے عورتیں بیعت کے لیے آئیں تو آپ ان شرائط پر ان سے بیعت لیں۔ اوّلین شرط یہ ہوگی :۔

اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا ط (پ۲۸، ممتحنہ، ع۲) کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

(۸) حضرت معاذ رضؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ حقوق بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اور کچھ حقوق بندوں کے اللہ تعالیٰ نے بطور تفضل اپنے ذمے لیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ:۔

اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا — وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔

اور بندوں کا حق اللہ کے ذمے یہ ہے کہ:۔

لَا یُعَذِّبُ مَنْ لَّا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا۔ — جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا وہ اس کو سزا نہ دے۔

(بخاری ۲ ص ۸۶۲ مسلم ا ص ۴۴ و ابوعوانہ ا ص ۱۹ و طیالسی ص ۷۵)

⑨ حضرت عبادۃؓ بن الصامت فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے ہاتھ پر بیعت کرو لیکن اس شرط سے کہ:۔

لَا تُشْرِکُوْا بِاللہِ شَیْئًا — خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ

(بخاری ا ص ۷ و مسلم ۲ ص ۷۲ و نسائی ۲ ص ۱۹۳ و طیالسی ص ۷۹)

⑩ حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا۔ حضرت مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو سکوں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور

وَلَا تُشْرِکْ بِہٖ شَیْئًا — اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ

(بخاری ا ص ۱۸۷ و مسلم ا ص ۳۱ و ابوعوانہ ا ص ۶)

⑪ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں واجب کر دینے والی ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت وہ کیا چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔

مَنْ مَاتَ یُشْرِکُ بِاللہِ شَیْئًا — جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو

دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ

(مسلم ا صلا و ابو عوانہ ا صلا)

شریک ٹھہرایا اور اس کی وفات ہوگئی تو وہ جہنم میں جائیگا اور جس کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا تو وہ جنت میں جائے گا۔

(۱۲) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی شکل کا آدمی آیا (وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے) اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا ایمان کیا شے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ :-

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ

(بخاری ج ۲ صلا و مسلم ج ۱ ص ۲۹)

ایمان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۱۳) حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نے سنہ ۶ھ میں روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس بھی اسلام کا دعوت نامہ بھیجا اور اس نے بیت المقدس میں جب کہ وہ وہاں سرکاری دورہ پر آیا ہوا تھا تجارِ مکہ کو بلایا جو تجارت کے لیے وہاں گئے تھے جن میں حضرت ابوسفیانؓ بھی تھے۔ لیکن ابھی تک وہ مسلمان نہ ہوئے تھے۔ ہرقل نے پوچھا کہ وہ شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟ حضرت ابوسفیانؓ نے جواب دیا کہ چند باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ ان میں سے پہلی یہ ہے :-

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا۔ (بخاری صلا)

کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

(۱۴) حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول، مجھے ایسا کام بتائیں جس کے کرنے کی وجہ سے میں جنت میں داخل ہو سکوں۔ لوگوں نے کہا اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کو کیا ہو گیا ہے! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سائل ہے سوال کرتا ہے

اس کو اور کیا ہو گیا ہے؟ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا — اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۸۶ و ابوعوانہ ج ۱ ص ۴)

(۱۵) حضرت عمروؓ بن عبسہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی شہرت سنی تو میں اپنی قوم سے نظر بچا کر آپ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے پوچھا۔ آپ کس چیز کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔

بان یوحد اللہ ولا یشرک بہ شیئا۔ — کہ خدا کی توحید کا اقرار کیا جائے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

(ابوعوانہ ج ۱ ص ۸)

(۱۶) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا :۔

فیغفر لمن لا یشرک باللہ شیئا الا رجل بینہ وبین اخیہ شحناء — تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا اس کی مغفرت ہو جاتی ہے مگر وہ شخص جس کا کسی بھائی کے ساتھ (بلا وجہ شرعی) بغض ہو۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۱۶ وطیالسی ص ۳۱۶)

(۱۷) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج کے لیے تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین چیزیں آپ کو عنایت ہوئیں (پہلی) پانچ نمازیں (دوسری) سورۃ بقرہ کی آخری آیات اور (تیسری) یہ کہ :۔

وغفر لمن لم یشرک باللہ من امتہ شیئا۔ — جو شخص آپ کی امت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گا اس کی مغفرت ہوگی۔

(مسلم ج ۱ ص ۹۷ ومشکوٰۃ ص ۵۲۹)

(۱۸) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

سلم سے پوچھا آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے کی وجہ سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں اور جہنم سے بچ سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے بڑی چیز کے بارے میں سوال کیا ہے۔ لیکن جس پر خدا تعالیٰ آسان کرے، اس پر مشکل بھی نہیں۔ وہ یہ ہے کہ:

تعبد اللّٰہ ولا تشرک بہ شیئاً ۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

(ترمذی ۲ ص۸۹ و ابن ماجہ ص۲۹۳ و مستدرک ج۲ ص۷۶)

(۱۹) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، اے آدمؑ کے بیٹے! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید کرتا رہے گا۔ میں تیری سب کوتاہیوں کو معاف کرتا رہوں گا، اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدمؑ! اگر تیرے گناہ بڑھتے بڑھتے آسمان کی نچلی سطح تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگتا ہے تو میں تجھے معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدمؑ! اگر تو زمین کو گناہوں سے بھر کر میرے سامنے پیش کرے اور پھر مجھ سے معافی مانگے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ لا تشرک بی شیئاً (میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے) تو میں اتنی ہی وسعت سے اپنی مغفرت سے تجھے نوازوں گا۔ (ترمذی ۲ ص۱۹۳ و مشکوٰۃ ص۲۰۴)

یہ حدیث حضرت ابوذرؓ سے بھی مروی ہے۔ (بغدادی ج۱۱ ص۲۳ و ابن کثیر ج۱ ص۱۹۶)

(۲۰) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص یہ یقین کرے کہ میں گناہوں کے معاف کرنے پر قادر ہوں تو میں اس کے گناہ معاف کر دوں گا۔ اور مجھے کوئی پروا نہیں لیکن مالم یشرک بی شیئاً (مشکوٰۃ ص۲۰۴) جب تک کہ اس نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔

(۲۱) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے مجھے دس چیزوں کی وصیّت فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے :۔

لا تشرک باللہ شیئا وان قتلت وحرقت (الحدیث مسند احمد مشکوٰۃ ص۱۸)
کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تم قتل کر دیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ۔

(۲۲) حضرت ابوذرؓ جناب رسول خدا صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے خوشخبری سنائی، من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ (ابوعوانہ ج۱ ص۲۳ و ادب المفرد ص۱۱۹) کہ میری اُمّت سے جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک قرار نہیں دیتا تھا تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

(۲۳) حضرت معاذؓ بن جبل نے سفر کا ارادہ کیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔

اعبد اللہ لا تشرک باللہ شیئا الخ (مستدرک ج۱ ص۴ د)
کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔

(۲۴) حضرت عرباضؓ بن ساریہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تشریف لائے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور مؤثر طریقہ سے ترغیب و ترہیب کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر آخر میں یہ ارشاد فرمایا :۔

اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا (مستدرک ج۱ ص۹۶)
اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دینا۔

(۲۵) جب آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اہلِ طائف کو تبلیغ کرنے تشریف لے گئے اور انہوں نے انتہائی درندگی کے ساتھ آپ پر پتھروں کی بارش برسائی حتّٰی کہ آپ کا بدن مبارک لہولہان ہوگیا اور نعلین تک پاؤں سے خون کے خشک ہونے کی وجہ نکلنی دشوار ہوگئیں) تو وہ فرشتہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

وہاں کے پہاڑوں کی ڈیوٹی سپرد ہوتی تھی آیا اور کہنے لگا، حضرتؐ اگر آپ اجازت دیں تو میں دو پہاڑوں کے درمیان ان کے سروں کو کچل دوں۔ مگر رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

بل ارجوا ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ ولا یشرک بہ شیئا (بخاری ج ۱ ص ۴۵۸ مسلم ج ۲ ص ۱۰۹ مشکوٰۃ ص ۵۲۳)

نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے افراد کو پیدا کریگا جو اسکی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے

(۳۶) حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں۔ مجھے میرے پیارے اور محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ وصیت کی ہے :-

ان لا تشرک باللہ شیئا وان قطعت او حرقت (ابن ماجہ ص ۳۰۱)

کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ یا قتل کر دیئے جاؤ۔

(۳۷) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس مرد مسلم کی وفات ہو جائے اور اس کے جنازہ میں چالیس آدمی ایسے شریک ہوں :-

لا یشرکون باللہ شیئا الا شفعھم اللہ فیہ :- (مسلم ص ۳۰۸ مشکوٰۃ ص ۱۴۵)

کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی سفارش میت کے لیے قبول فرمالیتا ہے۔

(۳۸) حضرت سلمہ بن قیس الاشجعی رضؓ فرماتے ہیں۔ میں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا :-

لا تشرکوا باللہ شیئا (مستدرک ج ۴ ص ۳۵۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۳۹) حضرت عقبہؓ بن عامر فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو سکتا ہے :-

من لقی باللہ لا یشرک بہ شیئاً	جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت میں
ولم یتند بدم حرام	ملا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز
(مستدرک ج ۴ ص ۳۵۲)	کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، اور ناحق خون سے
	اس کے ہاتھ آلودہ نہ ہوتے ہوں۔

(۳۰) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ اس نے کہا۔ مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے چند ایک نہایت اہم اور مفید نصیحتیں ارشاد فرمائیں، جن میں سے پہلی یہ ہے:-

تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئاً	اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، اور اس کے ساتھ
(مستدرک ج ۴ ص ۳۱۸)	کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔

(۳۱) حضرت معاذؓ بن جبل فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سطح زمین پر جتنے بھی انسان اور جنات ہیں (اصل الفاظ ما علی الارض نفس) ہیں:-

لا تشرک باللہ شیئاً	اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک
(مستدرک ج ۴ ص ۲۷۲)	نہ ٹھہرائیں۔

اور صدق دل کے ساتھ میری نبوت اور رسالت کو تسلیم کریں۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے گا۔

(۳۲) حضرت صفوانؓ بن عسال سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو یہودی آئے اور انہوں نے آیات بینات کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے جواب ان الفاظ سے شروع کیا کہ:-

لا تشرکوا باللہ شیئاً	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک
(مستدرک ج ۱ ص ۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶)	نہ ٹھہراؤ۔

(۳۳) حضرت ربیعہؓ بن عبادؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

منیٰ کے مقام پر ارشاد فرمایا :۔

یٰایھا الناس ان اللہ یامرکم ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا (مستدرک ا صــ۱۵)	اے انسانو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۳۴) حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

الاسلام ان تعبد اللہ لا تشرک بہ شیئا (مستدرک ۲ صــ۲۱)	اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۳۵) حضرت اسماءؓ بنت عمیس فرماتی ہیں مجھے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جب تمہیں تکلیف پہنچے تو یہ کہا کرو :۔

اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ شیئا (ابن ماجہ صــ۲۸۵)	اللہ ہی اللہ ہی میرا رب ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کے لیے تیار نہیں۔

(۳۶) حضرت ابیؓ بن کعب سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے ازل میں عہد میثاق لیا تو یہ ارشاد فرمایا :۔

اعلموا انہ لا الٰہ غیری ولا رب غیری ولا تشرکوا بی شیئا (مستدرک ۲ صــ۳۲۴)	جان لو کہ میرے بغیر کوئی الٰہ نہیں اور میرے بغیر کوئی رب نہیں۔ اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔

(۳۷) حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت جعفرؓ نے دربار نجاشی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم سنایا ہے۔

ان تعبد اللہ ولا نشرک بہ شیئا (مسند احمد ا صــ۲۰۲ مستدرک ۲ صــ۳۱۰)	کہ ہم اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

(۳۸) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس امت کو قیامت کے دن تین جنتوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

۱۔ جو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

۲۔ جن کا سرسری طور پر حساب ہوگا۔

۳۔ جن کی گردنوں اور کمر پر بڑے بڑے پہاڑوں کی مانند گناہ لادے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا۔

هٰؤلاء عبید من عبیدی لم یشرکوا بی شیئا — یہ میرے بندے ہیں میرے ساتھ انہوں نے کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۶۰ و احمد ۵ و مسلم ص ۳۶۰/۲۱۴)

لہٰذا ان کے گناہ یہود اور نصاریٰ پر (جنہوں نے ان کو عملی طور پر گمراہ کیا اور بے دین بنانے کی انتہائی کوشش کی) ڈال دو۔ اور ان کو میری رحمت کے سایہ میں شامل کر کے جنت میں داخل کر دو۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ جنت میں بغیر حساب کے وہی لوگ جائیں گے (جیسا کہ حضرت عکاشہؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے)

ولد وا فی الاسلام ولم یشرکوا باللّٰہ شیئا (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۱۴) — جو اسلام میں پیدا ہوئے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو کبھی شریک نہ ٹھہرایا۔

(۳۹) حضرت ابو ایوب الانصاریؓ فرماتے ہیں۔ ایک اعرابی نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ مجھے ایسی چیز بتلایئے کہ میں اس کے کرنے سے جنت میں داخل ہو جاؤں اور جہنم سے بچ سکوں۔ آپ نے فرمایا پہلی چیز یہ ہے۔

تعبد اللّٰہ ولا تشرک بہ شیئا — اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دو

(ادب المفرد ص ۸)

(۴۰) ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سب سے

پہلے جو تقریر کی تھی اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:۔

اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً — اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۱۴)

قارئین کرام:۔ اگر اس مضمون کی اور حدیثیں نقل کی جائیں تو یقیناً آپ پڑھ پڑھ کر اکتا جائیں گے۔ اس لیے دو چار اور حدیثیں پیش کرکے اس باب کو ختم کیا جاتا ہے:۔

(۴۱) حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کی ایک مخصوص دُعا ایسی ہوتی ہے جس کو درجۂ قبولیت حاصل ہوتا ہے اور ہر نبی نے ایسی دُعا دنیا کے اندر ہی کر لی ہے۔ لیکن میں نے وہ دُعا ابھی تک نہیں کی۔ وہ دُعا میں نے اپنی اُمت کی شفاعت کیلئے چھوڑ رکھی ہے۔

فھی نائلۃ ان شاء اللہ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئاً۔ — تو وہ دُعا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اُمت میں سے ہر اس شخص کو پہنچ سکتی ہے کہ جس کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۱۳ و ابو عوانہ ج ۱ ص ۹۰ و ابن جریر ص ۳۲۹)

(۴۲) حضرت مالک بن عوف فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اس نے مجھے اختیار دیا کہ آپ ایک شق اختیار کر لیں (۱) یا تو آپ کی نصف اُمت (بلا حساب) جنت میں داخل کر دی جائے (۲) اور یا آپ شفاعت اختیار کر لیں۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے شفاعت ہی اختیار کر لی۔

آگے فرماتے ہیں:۔

وھی لمن مات لا یشرک باللہ شیئاً ط — اور یہ میری شفاعت اسی کو مفید ہو سکتی ہے جو اس حالت میں فوت ہوا کہ اس نے

(ترمذی ۲ ص ۲۷، مشکوٰۃ ص ۴۹۴) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا

(۴۳) قیامت کے دن جب حضرات انبیاء و عظام، صدیقین، اولیاء، شہداء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور چھوٹے بچے وغیرہ شفاعت کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ جہنم میں سے ہر اس شخص کو نکال لاؤ۔

من کان لا یشرک باللہ شیئاً جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

(مسلم ص ۱۰۳، وابوعوانہ ۱ ص ۱۶۰)

(۴۴) پھر جب تمام مقبول بندے شفاعت کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے گا

انا ارحم الراحمین ادخلوا جنتی من کان لا یشرک باللہ شیئاً میں سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہوں، میری جنت میں داخل کرو جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

(ابوعوانہ ۱ ص ۱۸۱)

حضرات! آپ جانتے ہی ہیں کہ شیئاً کا لفظ تعمیم کے لیے ہوتا ہے اور پھر جب نکرہ ہو تو اس میں اور بھی تعمیم آجاتی ہے۔ اور پھر جب یہ نفی کے تحت داخل ہو تو اس میں اور مزید تعمیم ہو جاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے برحق نبی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات نہایت ہی واضح کر دی ہے کہ جنت میں داخل ہونے کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ اسی شخص کی لغزشیں اور کوتاہیاں اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے اور اسی شخص کو اپنی حضرت اور بخشش سے نوازتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بناتا ہو اور وہی شخص جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر صلحاء امت اور ملائکہ کی شفاعت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اور وہی شخص جہنم کے ابدی عذاب سے بچ سکتا اور رحمت خداوندی میں داخل ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے گا وہ نہ تو جنت میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے لیے شفاعت

جو مجھ سے بگڑ بیٹھے ہمیشہ وہ جہنم میں پڑا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا و من سائر انواع العذاب بمنّہ و کرمہ)۔

بابِ چہارم

اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق نبی جناب رسولِ کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح وَلَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا سے شرک کی پُرزور الفاظ میں تردید کی ہے، اسی طرح غیر مبہم الفاظ میں لفظ اَحَد[1] سے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ کوئی ذات اور ہستی بھی اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک نہیں۔ نہ عبادت میں نہ حکم میں اور نہ ہی اس بات میں کہ اللہ کے سوا کسی ذات اور ہستی کو پکارا جائے۔ محض قرآن کریم کی چند آیات ہی پیش کی جاتی ہیں، ملاحظہ کریں :-

(۱) ایک مردِ مومن نے اپنے کافر اور مشرک دوست سے تخاطب کرتے ہوئے یوں کہا کہ :-

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۔ (پ ۱۵، سورۂ کہف، ع ۵)

پھر میں تو یہی کہتا ہوں، وہی اللہ ہے میرا رب، اور نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو۔

(۲) جب اس کافر و مشرک کا سب مال و جائیداد تباہ ہو گئی اور کفِ افسوس

---

[1] احد کے معنی ہیں یکے و کسے وَهُوَ اسم لمن يصلح ان يخاطب (صراح ص ۱۴۰) لفظ احد صرف اسی مخلوق پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو خطاب کی اہلیت رکھتی ہو جیسے انسان فرشتے اور جن۔ غیر ذوی العقول پر لفظ احد کا اطلاق لغۃً نہیں ہوتا۔

سے لگا تو اُس وقت اُس نے اقرار کیا کہ :۔

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا (پ ۱۵ ، کہف ، ع ۵) — ہائے افسوس میرے لئے اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو ۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون اور ضابطہ ارشاد فرمایا ہے :۔

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا (پ ۱۵ ۔ کہف ۱ ع ۴) — اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ۔

یعنی اللہ تعالیٰ خود ہی حکم دینے والا ہے ، اپنے حکم میں کسی کو اُس نے شریک نہیں بنایا تو جو شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ حکم صادر کرنے میں کسی کو شریک مانے یا خدا تعالیٰ کے مقابلے میں کسی اور کا حکم حق اور صحیح تسلیم کرے ۔ وہ بھی مشرک ہے البتہ حکم پہنچانا پیغمبروں کا کام ہے اور اجتہادی مسائل میں غیر منصوص احکام کی کڑی منصوص احکام سے جوڑنا حضرات مجتہدینؒ کا کام ہے ۔ یہ بات محلِ نزاع نہیں ہے ۔

(۴) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ نیک کام کرے ، آگے ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (پ ۱۶ ، کہف ، رکوع ۱۲) — اور شریک نہ کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ۔

(۵) جنات کا ایک گروہ آیا ، اور انہوں نے جناب نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے قرآن کریم سنا ۔ ایمان لاچکنے کے بعد جب واپس ہوئے تو اپنی قوم سے دورانِ تبلیغ میں کہنے لگے :۔

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا (پ ۲۹ جن ع ۸) — اور ہرگز نہ شریک بنائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو

(۶) اللہ تعالیٰ نے مسجد کے آداب میں سے ایک بڑا اور افضل ادب یہ بتلایا ہے ۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ — اور یہ کہ مسجدیںؔ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے ہیں

ؔ مساجد کا یہ عام اور مشہور مفہوم ہے ۔ علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) نے صاحب سے مجمع بخاری اور

اَحَدًا (پ ٢٩، جن، ع ١) — سو مت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو

⑦ مسئلہ توحید سمجھانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اعلان کروایا ہے کہ آپ کہہ دیجیے:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا (پ ٢٩، جن، ع ٢) — کہہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو۔

⑧ چونکہ عموماً خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں نے اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کو (عطائی طور پر) نافع اور ضار سمجھ کر پکارا ہے اور پکارتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور قرآن کریم کے ذریعہ سے یہ اعلان کروایا ہے کہ:۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (پ ٢٩، جن، ع ٢) — تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا ضرر اور نہ بھلائی۔ تو کہہ مجھ کو نہ بچائے گا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے کوئی بھی اور نہ پاؤں گا اس کے سوائے کہیں بھی جائے پناہ۔

⑨ سورۃ اخلاص تقریباً سو فیصدی مسلمانوں کو یاد ہوتی ہے اور ہر نماز (بلکہ اکثر تو ہر رکعت) میں اس کو پڑھتے ہیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بات نہایت واضح طور پر ثابت کردی ہے کہ کوئی ہستی اور ذات بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہیں اور نہ اس نے کسی کو شریک بنایا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ — اور نہیں اس کا ہمسر (اور شریک) کوئی بھی

ان تمام آیات میں لفظ اَحَدًا اور اَحَدٌ سے یہی سمجھایا گیا ہے کہ کوئی بھی ہو نبی ہو یا ولی، فرشتہ ہو یا کوئی اور نیک ہستی اور ذات، خدا تعالیٰ کا کسی طرح شریک نہیں۔ نہ تو ذات میں اور نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ وہ ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے۔ کلمہ شہادت میں جس پر ایمان کی بنیاد ہے اسی بنیادی عقیدہ

کا سبق دیا گیا ہے اور اس سبق کو یاد رکھنے کے لیے ہر نماز کے تشہد میں خواہ وہ فرض ہو یا نفل، وتر واجب ہو یا نماز تہجد چاشت ہو یا اشراق جمعہ ہو یا نماز عید وغیرہ سب میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پڑھنا ہر نمازی کے فریضہ میں شامل کیا گیا ہے تاکہ وہ اس بنیادی اور اہم عقیدہ کو اپنے ذہن سے اوجھل نہ ہونے دے اور ہر وقت یہ سبق اس کے پیش نظر رہے تاکہ وہ شرک کے دلدل میں نہ پھنس جائے مگر ہزار افسوس کہ اس سچے اسلام کو جس کی صداقت اور سچائی کا اپنے تو کیا بیگانے اور غیر مسلم بھی اقرار کرنے سے کوئی چارہ نہیں پاتے اوہام پرستوں اور شرک کے شیدائیوں نے اسلام اور کفر کا ایک ملغوبہ بنا کر رکھ دیا ہے الفاظ تو اسلام کے استعمال کرتے ہیں مگر معانی اور مطالب کفر و شرک کے لیے جاتے ہیں کاش کہ مسلمان پھر اسی کامیاب سبق کی طرف لوٹ آئے جو انہیں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے (اور غیر مسلم معترف ہیں کہ تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) تو ساری کائنات مسلمان کے سامنے جھکنے کو اپنے لیے سعادت سمجھے اور کیوں نہ ہو؟ ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
...

جنت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

باب پنجم

شرک کے شیدائی عموماً یہ کہتے ہیں کہ شرک تو یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کیجائے اور کلمہ گو کوئی بھی ہو۔ چونکہ وہ بتوں کی عبادت نہیں کیا کرتا لہٰذا وہ اگرچہ کچھ ہی کہے یا کرے مشرک نہ ہوگا۔ لیکن یہ ایک ایسا کھلا ہوا مغالطہ ہے کہ قرآن کریم نے جس کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے اور جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی تعلیمات نے اس باطل خیال کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دی ہیں۔ مندرجہ ذیل دلائل کا بغور مطالعہ کریں۔

① قوم نصاریٰ کی غلطی ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ نے قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا۔

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۝ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ط إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط

اور جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو، اور میری ماں کو دو الٰہ اللہ کے نیچے۔ عیسیٰ کہے گا، تو پاک ہے، مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے بے شک تو ہی جی کی

إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۔ (پ۷، مائدہ ع۱۶) باتوں کو جاننے والا۔

اگر شرک فقط بتوں کی پرستش کی وجہ سے ہوتا ہے تو حضرت عیسٰے علیہ علیہ السلام سے یہ سوال کیسے؟ ع قدرت خدا کی درد کہیں اور دوا کہیں

تو حضرت عیسٰے علیہ السلام بت تھے۔ اور نہ ہی ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم ؑ۔ مگر یہ سوال و جواب واضح کر رہا ہے کہ نہ صرف انسانوں کو بلکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں، اور ان کی والدہ ایسی عابدہ و زاہدہ کو بھی إلٰہ بنانے والے مشرک ہو جاتے ہیں۔

(۲) یہود و نصارٰی جو نہ صرف خدا کے قائل تھے بلکہ اپنے خیال کے لحاظ سے موحد بھی تھے، ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ (پ۱۰، توبہ، ع۵)

ٹھہرا لیا انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب اللہ کے نیچے اور مسیح بیٹے مریم کو بھی اور حالانکہ ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک إلٰہ کی۔ کوئی اس کے سوا إلٰہ نہیں وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک قرار دیتے ہیں۔

اس آیت میں علماء صوفیا اور مسیح بن مریم علیہما السلام کا ذکر ہے کہ لوگوں نے ان کو رب بنایا اور مشرک ہوئے۔ حالانکہ نہ مولوی بت ہوتے ہیں اور نہ ہی پیر، اور نہ ہی حضرت مسیح علیہ السلام۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں عَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے ان کے بھی إلٰہ بنانے والوں کو مشرک کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں کو بھی إلٰہ اور رب بنانا شرک ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی لڑی اور سلسلہ میں جن مولویوں اور صوفیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یقیناً نام نہاد مولوی اور صوفی تو نہیں ہو سکتے وہ صحیح معنی میں مولوی اور

پیرہی ہوسکتے ہیں اِلّا یہ کہ ان کے اتباع ہوس کا شکار ہو کر غلط روی میں مبتلا ہوجائیں جیسا کہ حضرت عدیؓ بن حاتم کی روایت میں آئے گا۔

(الف) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہود سے سوال کرے گا۔

مَاذَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَّلَا وَلَدًا

تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے عزیر علیہ السلام کی جو خدا تعالیٰ کا بیٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو۔ نہ خدا کی بیوی ہے اور نہ بیٹا۔

اسی طرح نصاریٰ سے سوال کرے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے، وہ کہیں گے مسیح کی، جو خدا تعالیٰ کا بیٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ خدا تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ (مسلم ا ص ۱۰۲ وصحیح ابوعوانہ ا ص ۱۶۲ و بخاری ۲ ص ۹۵۹ و مستدرک ۴ ص ۴۹۷)

یہود اور نصاریٰ کے دو دعوے تھے۔ ایک یہ کہ ہم حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس دعوے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس لیے کہ وہ واقعی ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ دوسرا دعوے یہ تھا کہ حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اس دعوے کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ نہ خدا تعالیٰ کی بیوی ہے اور نہ خدا تعالیٰ کا بیٹا۔ جب لوگ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی جائیں گے تو آپ معذوری کا اظہار فرمائیں گے۔ اور ارشاد فرمائیں گے انی عُبِدتُّ من دون اللہ (میری اللہ کے ورے عبادت کی گئی تھی) لہٰذا

ؔ خدا تعالیٰ کی عبادت وہ پہلے اور حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کی عبادت وہ بعد میں کرتے رہے جیسا کہ اسی حدیث میں نعبد اللہ والمسیح کے صریح الفاظ وارد ہیں۔ (ابن کثیر ۳ ص ۴۰۴)

میں معذور ہوں۔ (ترمذی ۲ صفحہ ۱۴۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کی عبادت کرنے والے بھی مشرک تھے اور ہیں۔ حالانکہ نہ حضرت عزیر بت تھے اور نہ حضرت مسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

(ب) جب مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں تو حضرت عدیؓ بن حاتمؓ نے (جو پہلے نصرانی تھے) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضرت ہم نے تو کبھی بھی علماء اور صوفیاء کی عبادت نہیں کی۔ قرآن کریم کیوں ایسا فرماتا ہے؟ آپ نے جواب دیا مولویوں اور پیروں نے جو چیزیں از خود حلال اور حرام کر دی تھیں تم ان کی بات کو حجت نہیں سمجھتے تھے؟

حضرت عدی رضؓ نے کہا۔ ہاں حضرت سمجھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُمْ (ترمذی ۲ صفحہ ۱۳۶) تو یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔

چونکہ حلال اور حرام کرنا اللہ تعالیٰ کا منصب ہے اس لیے اس میں کسی غیر کو (اگرچہ مسیح بن مریم علیہما السلام ہی کیوں نہ ہوں) شریک ٹھہرانا بھی گویا اس کو رب بنانا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کو رب بنانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کو آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور مالک ہی مانا جائے بلکہ خدا تعالیٰ کی کسی بھی صفت میں غیر کو شریک ٹھہرانا شرک ہے خواہ اپنی خواہش ہی کیوں نہ ہو۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:۔

نہیں ہے دہریت کیا، بندۂ حرص و ہوی ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریہ تو نے
زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ، تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

(۴) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ یہود

اور نصاریٰ کو چیلنج کریں کہ اگر صداقت ہے تو آؤ ایک متفقہ اصول پر بات کریں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (پ ۳، آل عمران، ع ۷)

کہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر (اور مسلم) ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو، اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے اللہ کے نیچے پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

اس آیت سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے اگر کوئی غلط کار کسی مکلف کو رب قرار دے تو وہ بھی اسلام سے نکل جائے گا، اور مشرک ہو جائے گا۔ اگر شرک صرف اصنام اور بتوں کی عبادت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے تو بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے بجائے اَصْنَامًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہونا چاہیے تھا کہ آؤ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کی عبادت نہ کریں، اور ان کو رب نہ قرار دیں حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ ایک فریق میں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، اور دوسرے گروہ میں یہود و نصاریٰ ہیں جن کو اہل کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے اُن میں سے ایک بھی بُت نہ تھا۔ لیکن حکم یہ ہو رہا ہے کہ آؤ ہم آپس میں اللہ کے سوا ایک دوسرے کو ربّ نہ بنائیں۔ اگر اے اہل کتاب تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

(الف) علامہ ابن حجر ہیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ (اور فرماتے ہیں۔ اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں مگر علیؒ بن المنذرؒ بخاری کا راوی نہیں ہے۔ لیکن ہے وہ بھی ثقہ) کہ جب آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ تو منافقین نے بڑی خوشی منائی اور حضرات صحابہ کرامؓ پر سراسیمگی طاری ہو گئی (حضرت عمرؓ کا یہ فعل جذبہ محبت سے تھا یا کسی مصلحت سے وھو الحق عندی بہر حال) حضرت عمرؓ تلوار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ابھی وفات نہیں ہوئی۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے اور فرمانے لگے اے عمرؓ! سوچ تو لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نبی! آپ بھی فوت ہونے والے ہیں، اور یہ مخالف بھی مرنے والے ہیں۔ نیز فرماتا ہے ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دوامی زندگی نہیں بخشی۔ اگر آپ فوت ہو جائیں تو آپ کے مخالف بھی دنیا چھوڑ ہی دیں گے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ منبر پر کھڑے ہو گئے تو حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

ایھا الناس ان کان محمد الٰھکم الذی تعبدون فان الٰھکم قد مات وان کان الٰھکم الذی فی السماء فان الٰھکم حی لا یموت ثم تلا وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل ط (الآیۃ) (مجمع الزوائد ۹ صـ ۲۰ و البدایہ ۵ صـ ۲۴۳)

اے لوگو! اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے الٰہ تھے۔ تو بے شک تمہارا الٰہ فوت ہو چکا ہے۔ اور اگر تمہارا الٰہ وہ ہے جو آسمانوں میں ہے تو بے شک وہ الٰہ ہمیشہ رہے گا۔ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہی تھے الخ

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ مرنا اور ہمیشہ زندہ رہنا صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ اس صفت میں اگر کوئی شخص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی خدا کا شریک بنائے تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا۔ اور گویا اس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الٰہ بھی بنایا۔ اگر شرک صرف بتوں کو الٰہ بنانے سے ہوتا ہے تو حضرت ابو بکرؓ کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اس مضمون کو بر سر منبر بیان فرماتے آپ کو فرمانا چاہیے تھا، ایھا الناس شرک یہ ہے کہ بتوں کو خدا کا شریک بنایا

جاتے لیکن حضرت ابوبکرؓ کی نظر بصیرت اور دُور رس نگاہ اس کو تاڑ گئی کہ لوگوں کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی اور نہ آپ کی وفات ہوگی۔ اس سے توحید پر ضرب کاری لگتی ہے اور خاصۂ خداوندی میں آپ کو شریک کرنا لازم آتا ہے۔ بالفاظ دیگر آپ کو اِلٰہ بنانا پڑتا ہے۔ اس لیے بر وقت انہوں نے اس عقیدہ کا قلع قمع کر دیا اور امت کو ایک بڑے فتنہ سے بچا لیا۔ باقی وفات کے بعد قبر میں آپ کی زندگی اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اور عند القبر آپ کا صلوٰۃ والسلام کا سُننا اور جواب دینا تو برحق اور ثابت ہے جیسا کہ صحیح احادیث اور اجماع سے ثابت ہے (دیکھئے تبرید النواظر اور تسکین الصدور وغیرہ) لہٰذا اس حدیث اور اس مضمون کی اور حدیثوں سے یہ استدلال کرنا کہ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد قبر مبارک میں آپ کی حیات ثابت نہیں نرا مغالطہ ہے۔

(ب) ایک شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے کہا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ (جو خدا کو منظور ہوگا وہ کرے گا اور آپ کریں گے) آپ نے فرمایا اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا وفی روایۃ عدلا (کیا تو نے مجھے خدا تعالیٰ کا شریک بنا لیا؟) بلکہ یوں کہو یعنی مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ (جو خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کو منظور ہوگا وہی ہو کر رہے گا)۔ (ادب المفرد ص۱۰۰ امام بخاریؒ مسند احمد ج۱ ص۲۱۴ ابن ماجہ ص۱۵۳ مشکل الآثار ص۹۰ امام طحاویؒ وکتاب الاسماء والصفات امام بیہقیؒ ص۲۰۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مشیت میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک کرے گا تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا اور بارشاد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کہنے والا گویا خدا تعالیٰ کا ند بنا رہا ہے۔ یہ حدیث بھی صاف دلیل ہے کہ دوسرے کسی کو تو

کیا اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی کارخانۂ خداوندی میں شریک ٹھہرائے گا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام الانبیاء اور سید الرسل تھے، بت نہ تھے۔ (عیاذاً باللہ تعالیٰ)

(ج) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم یہ نہ کہا کرو!

ماشاء اللہ وشاء محمد بل ما شاء اللہ وحدہٗ اوکما قال۔ (کنز العمال ج صفحہ ۲۴۴ وکتاب الاعتبار ص ۲۴۳ رواتہ ثقات مجمع الزوائد ج ، صفحہ ۲۰۹) — کہ جو خدا تعالیٰ چاہے گا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہیں گے (بلکہ یوں کہو کہ) جو خدا تعالیٰ اکیلا چاہے گا وہی ہوگا۔

(د) بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعمیم کے الفاظ بھی استعمال فرمائے ہیں۔

لا تقولوا ماشاء اللہ وشاء فلان ولکن قولوا ماشاء اللہ وحدہ (مسند طیالسی صفحہ ۵۶) — یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا تعالیٰ چاہے گا اور فلاں چاہے گا بلکہ یوں کہا کرو جو خدا تعالیٰ اکیلا چاہے گا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مشیت خداوندی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور کسی دوسری ذات یا ہستی کو بھی شریک ٹھہرائے گا تو بھی کافر اور مشرک ہوگا۔ اور اگر شرک صرف بتوں ہی کی عبادت سے ہوتا یا بتوں کو ہی خدا کے ساتھ شریک کرنے سے ہوتا تو آپ فرما دیتے۔ لوگو! تم بتوں کو اور اصنام کو مشیت ایزدی میں شریک نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے سے بتوں کو ند یا شریک بنانا لازم آتا ہے۔ اور ایسا کرنا شرک ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا منصب بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :-

"کہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہنے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کے سوا لیکن یوں کہے کہ تم

اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔ (یہ تمام ترجمہ ہے)۔

آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ؕ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۝ (پ ۳، آل عمران، ع ۸)

اور نہ تم کو حکم کرے گا اس بات کا کہ ٹھہرا لو تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب کیا وہ تم کو کفر سکھلائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ کے فرشتوں اور نبیوں کو بھی رب بنانے کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، اور پیغمبر ایسی تعلیم سکھانے نہیں آیا کرتے کہ فرشتوں کو رب بنا لیا جائے۔ اور خدا تعالےٰ کے رسولوں کو رب اور اِلٰہ قرار دیا جائے۔

⑤ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب قیامت کے دن تمام کائنات کو میدانِ محشر میں جمع کیا جائے گا تو فرشتوں سے اللہ تعالےٰ سوال کرے گا:۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (پ ۲۲، سبا، ع ۵)

اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا فرشتوں کو کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ ان کے علاوہ، بلکہ وہ تو جنات کی پرستش کرتے تھے یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے۔

عبادت کا معنی مافوق الاسباب پکارنے کے بھی آتا ہے جیسا کہ اپنے موقع پر بیان ہوگا۔ اگر لوگ بتوں ہی کو پکارا کرتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو فرشتوں سے اس باز پرس کا کیا مطلب؟ اور ان سے یہ سوال کیوں ہوگا؟ اور پھر فرشتے جنات کی عبادت کرنے والے، ان کو پکارنے

والے اور اُنکی پرستش کرنے والے بھی مشرک ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ نہ فرشتے بُت ہیں اور نہ ہی جنات۔ تعویذات پر یا جبرائیل یا میکائیل یا اسرافیل وغیرہ لکھنے والے اور ان کو پکار کر ان سے مدد طلب کرنے والے ان آیات سے عبرت حاصل کریں

چونکہ فرشتوں نے کسی طرح بھی اپنی پرستش کی تعلیم نہیں دی اس لیے وہ صاف انکار کر دیں گے کہ نہ ہمیں معلوم اور نہ ہم نے ایسی تعلیم دی۔ بخلاف جنات کے کہ ان میں اکثر کفر اور شرک کے شیدائی ہوتے ہیں اور خصوصاً جنات کا بابا ابلیس تو ہر حیلے سے شرک پر زیادہ زور دیتا ہے تاکہ جہنم میں اس کے ہمیشہ رہنے والے ساتھی تیار ہو سکیں۔ اسی لیے وہ مختلف زبانوں میں شرک کی رنگت کو بدل بدل کر پیش کرتا ہے تاکہ شرک پہچانا نہ جا سکے۔ ۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

انسانوں کا ایک گروہ جنات سے استعانت کیا کرتا تھا۔ اور جب کبھی وہ کسی پر خطر وادی سے گزرتا تو جنات کے رئیس وادی کی پناہ ڈھونڈتا تھا اور اس کے نام کی نذر و نیاز دیا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح کے جنوں کا ایک گروہ مسلمان ہو گیا اور ان کے عقیدت مند انسانوں کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع نہ ہوئی اور وہ بدستور ان کی پرستش کرتے رہے۔ اللہ تعالٰی نے ان انسانوں کو تنبیہ فرمائی۔ (بخاری ۲ صـ ۶۸۵ و مستدرک ۲ صـ ۳۶۲)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ

کہہ پکارو جن کو تم سمجھتے ہو اللہ کے سوا سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تمہاری تکلیف اور نہ بدل سکیں وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے

وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا
(پ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل ع ۶)

اور وہ اُمید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

اس مضمون سے معلوم ہوا کہ تکلیف دُور کرنے کی امید سے جو عوام الناس غیر اللہ کو پکارتے ہیں تو وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی تکلیف دُور نہیں کر سکتا۔ اور نہ بدل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نیک بندے خود طاعت اور عبادت کی وجہ سے اس کا تقرب چاہتے ہیں، اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ جن بُت نہیں ہوتے بلکہ خدا تعالیٰ کی ایک جاندار مخلوق ہے اور اس مضمون سے معلوم ہوا کہ یہاں جنات کی جس قسم کو پکارا گیا تھا وہ مومن اور بڑے نیک تھے، اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے تھے اور اس کے عذاب سے خائف تھے۔

(۷) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ ارشاد نازل فرمایا کہ تم بھی اور تمہارے معبود بھی جن کی تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے اور دوزخ میں داخل ہوں گے۔ اگر تمہارے یہ معبود الٰہ ہوتے تو یقیناً دوزخ میں داخل نہ ہوتے تو مشرکین نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ فرشتوں کی اور حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے ورے عبادت کی جاتی ہے لہٰذا یہ بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (یہ ہے جناب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم، العیاذ باللہ تعالیٰ) اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:-

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ

بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی طے ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے وہ نہیں سُنیں گے

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اس کی آہٹ اور وہ اپنے جی کے مزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔
(پ ۱۷، الانبیاء، ع ۷)

یعنی فرشتوں کو اور حضرت عیسٰےؑ اور حضرت عزیر علیہم السلام کو دوزخ سے دُور رکھا جائے گا۔ (مستدرک ج ۲ ص ۳۸۵۔ قال الحاکم والذہبی صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ لسان مشرک بھی اچھی طرح یہ سمجھتے تھے کہ فرشتوں حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ جیسی بلند ترین مخلوق کی عبادت بھی شرک کی زد میں آتی ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے وہ تعمیم ہے کہ اعتراض کرنے کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالٰی نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ شرک تو صرف بتوں کی پوجا سے ہوا کرتا ہے۔ ذوی العقول مخلوق کو درمیان میں لانے کا کیا معنی؟ بلکہ اللہ تعالٰی نے اپنی جاندار اور ذوی العقول مخلوق میں سے اپنے نیک بندوں کو مستثنیٰ قرار دیا کہ مخلوق میں سے وہ جہنم سے دُور رہیں گے جنہوں نے نہ شرک کیا نہ لوگوں کو شرک پر آمادہ کیا اور نہ اس پر راضی ہوئے۔ الغرض اللہ تعالٰی نے اس مضمون میں اس کی نفی نہیں کی کہ مخلوق کی عبادت نہیں کی گئی بلکہ اس کی نفی کی ہے کہ خدا کے نیک بندے جن کی لوگوں نے از خود عبادت کی، دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے، بخلاف ان انسانوں اور جنوں کے جنہوں نے نذریں اور نیازیں قبول کیں، سجدے کرائے اور معبود بن بیٹھے۔ وہ یقیناً جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ باقی لفظ "دعا" اور حضرات مفسرین کرامؒ کی اصنام کی قید سے دھوکہ نہ ہو، عنقریب اس کی تحقیق آ رہی ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔

(۸) قرآن کریم میں اس امر کی پوری تصریح موجود ہے کہ لوگوں نے جنوں کی عبادت کی ہے۔ حالانکہ جن بھی مکلف مخلوق ہے۔ کوئی ان میں مسلمان ہے کوئی کافر اور یقیناً جن بُت نہیں ہیں۔

(الف) بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۔۔۔ بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں

الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ‏ سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

(پ ۲۲ سبا ع ۵)

(ب) وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ (پ ۷ انعام ع ۱۳) ‏ اور ٹھہراتے ہیں جنوں کو اللہ کا شریک حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا اور ان کی عبادت کی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ان کی کس طور پر عبادت کی تو اس کی تشریح سورۂ جن میں یوں آتی ہے:۔

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ (پ ۲۹ جن ع ۱) ‏ اور یہ کہ تھے کتنے مرد انسانوں میں پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں سے، سو وہ بنا لئے اور سر چڑھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی عبادت سے مراد ان کی پناہ ڈھونڈنا اور خطرات و نقصانات کے مقابلہ میں ان سے حفاظت اور نگرانی طلب کرنا ہے اور ان پر ایمان لانے سے مراد ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ پناہ دینے اور حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

(۹) قرآنِ کریم کا فیصلہ ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو اس کے ورے کارساز بنانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۝ ‏ اب کیا سمجھتے ہیں کافر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے ورے حمایتی۔

(پ ۱۶ کہف ع ۱۲)

(۱۰) قرآنِ کریم میں منافقین کے فعل ریا کی تردید يُرَآءُوْنَ النَّاسَ (کہ لوگوں کو دکھلانے کے لیے نماز وغیرہ ادا کرتے ہیں) سے کی گئی ہے، اور حدیث میں آتا ہے:۔ اِنَّ الْيَسِيْرَ مِنَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ (مستدرک ج ۱ ص ۴ صحیح) کہ تھوڑا دکھاوا

بھی شرک ہے۔ اور حدیث آتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کی توجہ اپنی طرف جذب کرانے کے لیے نماز کو طول دے گا تو اس کا یہ فعل شرک خفی اور ریا ہوگا۔ (ابن ماجہ ص ۳۲۰)

اگر شرک صرف بتوں کی عقیدت سے ہی ہو سکتا ہے تو لوگوں کے دکھاوے کے لیے جو فعل کیا جائے اس پر شرک کا اطلاق کیسے صحیح ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ شرک دون شرک کا معنی ملحوظ رکھنا پڑے گا مگر لفظ شرک کا اطلاق تو اس پر وارد ہے۔

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو ایک خط لکھوایا جس میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اما بعد فانی ادعوکم الی عبادة الله من عبادة العباد وادعوکم الی ولایة الله من ولایة العباد (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۹ بحوالہ بیہقی ج ۲)	اما بعد، میں تمہیں بندوں کی عبادت کے بجائے خدا تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور بجائے اس کے کہ تم بندوں کو کارساز سمجھو میں تمہیں اس کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو کارساز سمجھو۔

اگر شرک صرف بت پرستی ہی کا دوسرا نام ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبادة العباد اور ولایة العباد کے بجائے عبادة الاصنام اور عبادة الاوثان کیوں نہ فرما دیا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اہل کتاب کو (جو حضرت مسیح احبار اور رہبان کو اربابا من دون اللہ بنا چکے تھے) یہ دعوت دی ہے کہ عباد (بندوں) کی عبادت اور ولایت وکارسازی کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت اور کارسازی کا اعتراف اور اقرار کرو۔

اب جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ شرک تو بتوں کی پرستش یا پکارنے

سے ہی ہوتا ہے، وہ غلط کہتے ہیں. اگر کوئی شخص حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں، فرشتوں اور جنوں کی بھی عبادت اور پرستش کرے گا تو وہ بھی یقیناً مشرک ہوگا۔ عبادت اور پرستش کا معنیٰ اپنے محل پر ذکر ہوگا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) یہ یاد رہے کہ شرک جیسے قبیح ترین فعل کی وجہ سے خواص تو کیا عوام الناس بھی معذور نہیں ہوسکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک عاقل کو اتنی سمجھ دے رکھی ہے جس سے وہ توحید و شرک کا امتیاز کر سکتا ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور کتابوں کا نازل ہونا اس پر مستزاد ہے مگر حیف بر حیف ہے ان لوگوں پر جن کو ان کی جماعت امام اور مجدد کا خطاب دیتی ہے وہ بھی دنیا اور آخرت کی سب مرادیں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے وابستہ کرتے ہیں چنانچہ فریق مخالف کے اعلیٰحضرت خانصاحب بریلوی مسلم وغیرہ کی حدیث سے (جو خبر واحد ہے اور ان کے نزدیک بھی عقائد کے باب میں اس کو پیش کرنا ہرزہ بافی ہے) اور اس کی شرح میں بعض شراح حدیث کے غیر معصوم اقوال اور مجمل عبارات سے بالکل ایک غلط اور سراسر باطل عقیدہ پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں الخ (الستۃ الانیقۃ فی فتاوی افریقہ ص۱۱ طبع رضوی پریس بریلی) سوال یہ ہے کہ اگر واقعی دنیا و آخرت کی سب مرادیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں تو دیگر ہزارہا امور کو چھوڑیئے صرف اس بات کی طرف توجہ کیجئے کہ آپ نے باوجود قلبی خواہش اور سچی آرزو کے اپنے مہربان چچا اور مجازی مربی ابوطالب (جن کا نام عبد مناف تھا) کو دولت ایمان اور ہدایت سے کیوں بہرہ مند نہ کر دیا؟ ... کیا وجہ ہے؟ اور پھر عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کو ساری ممکنہ تدبیریں اختیار کرنے کے باوجود بھی (کہ اس کا جنازہ بھی پڑھایا اس کے بدن پر اپنا مقدس لعاب مبارک بھی ڈالا۔ اپنے جسد اطہر سے کرتہ نکال کر اس کو بطور کفن بھی

پہنایا اور اس کے لیے مغفرت کی دعا بھی کی، کیوں اس کو بخش دیا یا حکم از کم کیوں بخشوا دیا؟ جب کہ خانصاحب کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کن اور مکن کے سب اختیار بھی حاصل تھے۔ چنانچہ خان صاحب لکھتے ہیں ؎

احمد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

(حدائق بخشش ص۶ حصہ دوم)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ بقول خانصاحب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کن اور مکن کے اختیارات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہو چکے تھے اور پھر آپ کی طرف سے یہ سب اختیارات حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو حاصل تھے اور انہی اختیارات کا یہ نتیجہ ہے کہ خان صاحب لکھتے ہیں کہ "آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک اُن کے نائب اُن کے وارث ان کے فرزند ان کے دلبند غوث الثقلین غیث الکونین حضور پُرنور سیدنا و مولانا امام ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام عرض نہ کرے۔" بلفظہٖ (الامن والعلیٰ ص۱۲۳ طبع لاہور) خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ جب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ولادت باسعادت ہی نہیں ہوئی تھی اس وقت آفتاب کیسے طلوع ہوتا تھا؟ اور اس بیچارے پر اس وقت کیا گزرتی ہوگی؟ داد دیجئے اس اسلام اور اس توحید کی جس کا نمونہ خاں صاحب پیش کر رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ھٰذہ الخرافات الواھیات۔

سچ ہے ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی

بعض حضرات مفسرین کرام نے مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، غَیْرُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ وغیرہ آیات کی تفسیر میں اصنام کی قید لگائی ہے۔ عوام تو کیا بلکہ بعض پڑھے لکھے طبقہ کو بھی اس کا مطلب سمجھنے میں فاحش غلطی ہوئی ہے اس لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس غلطی کو بھی دُور کر دیا جائے۔

دُنیا میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری، جس نے محض لکڑی، پتھر اور اینٹ کی بے جان مُورت کو خدا یا الٰہ بنایا ہو۔ بلکہ بُت، تصویر اور مجسمہ جب بھی بنایا گیا، کسی جاندار مخلوق بلکہ بزرگوں اور پیغمبروں اور نیک بندوں کے نام اور شکل پر ہی بنایا گیا اور بتوں سے وہ کام لیا گیا جو نااہل لوگوں نے تصورِ شیخ سے یا غالی لوگوں نے فوٹو اور تصویر سے لیا کہ ان کے سامنے رکھنے سے ذہنی صورت اور صاحبِ تصویر کا خیال جمنے کی وجہ سے یکسوئی واقع ہوتی ہے اور خیالات پراگندہ نہیں ہوتے بقول شخصے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

آپ مندرجہ ذیل دلائل کا مطالعہ فرما کر نظریہ قائم کریں کہ بتوں کی حقیقت کیا ہے:۔

(۱) قرآن کریم میں جو پانچ الہوں کا ذکر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پوجے جاتے تھے، جن کے نام یہ ہیں:۔ وُدّ، سواعؔ، یغوثؔ، یعوقؔ اور نسرؔ یہ کون تھے؟ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے نیک اور صالح انسان تھے۔ جن کی پرستش کی جاتی تھی۔ (صحیح بخاری ۲ صفحہ ۷۳۲)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ یہ پانچوں نام حضرت ادریس علیہ السلام کے صاحبزادوں کے ہیں، بہت نیک لوگ تھے۔ (تفسیر عزیزی اردو پارہ تبارک الذی صفحہ ۹۴ اور تفسیر ابن کثیر ۴ صفحہ ۴۲۶ میں بھی اس کے قریب قریب مضمون ہے فرق اتنا ہے کہ اس میں وُدّ حضرت شیث علیہ السلام کا نام بتایا ہے اور باقی چار ان کے بیٹے اور ایک روایت میں یہ پانچوں حضرت آدم علیہ السلام کے (بالواسطہ) بیٹے بتائے ہیں آخر پوتے در پوتے بھی بیٹے ہی نکلتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن میں بتوں کے لئے نام جو انسانوں کے نام تھے یہ ہیں:۔ وُدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر۔ (تفسیر اتقان اردو ۲ صفحہ ۲۵۳)

گویا حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے یہ پانچ پیر تھے۔ جیسے آج کل بھی عموماً ہر علاقہ میں پانچ پیر ہوتے ہی ہیں۔

یہ بحث بھی فائدے سے خالی نہ ہوگی کہ یہ پانچوں بزرگ بڑے نیک اور متقی تھے:۔

ولهم اتباع یقتدون بهم فلما ماتوا قال اصحابهم الذین یقتدون بهم لو صورناهم کان اشوق لنا الی العبادة اذا ذکرناهم فصوروهم الخ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ و ابن کثیر ۴ صفحہ ۴۲۶)	اور ان کے کافی پیروکار تھے جو ان کی اقتداء کرتے تھے۔ جب ان پانچوں کی وفات ہو گئی، تو ان کی پیروی کرنے والوں نے کہا، کہ ہم اگر ان کا نقشہ پیش نظر رکھیں تو عبادت میں بڑا ذوق و شوق حاصل ہوگا تو انہوں نے ان کی تصویریں اور فوٹو بنا لیے۔

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:-

قال غیر واحد من السلف کان ھٰؤلاء قوما صالحین فی قوم نوح فلما ماتوا عکفوا علی قبورھم ثم صوروا تماثیلھم ثم طال علیھم الامد فعبدوھم (اغاثۃ اللھفان ج ۲ ص ۱۸۴ ومثلہ فی البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۰۶)

اکثر حضرات سلفؒ کا بیان ہے کہ یہ پانچ حضرات حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ تھے جب وہ وفات پا گئے۔ تو لوگوں نے ان کی قبروں پر مجاوری اختیار کر لی، پھر ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیے۔ پھر جب کافی زمانہ گزر گیا، تو ان کی عبادت شروع کر دی۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ دُنیا میں سب سے پہلا شرک خدا تعالےٰ کے نیک بندوں اور ان کی قبروں سے شروع کیا گیا، اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ بھی محض تقرّبِ خداوندی اور رضائے الٰہی کی تحصیل کی غرض سے وہ ایسا کرتے تھے اور یہی کچھ آج بھی ہو رہا ہے اور اس شرک کی ترویج و اشاعت میں بڑے بڑے فرزانے بھی دیوانے ہوتے چلے جا رہے ہیں:-

خِرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خِرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

(۳) قرآن کریم میں لات ایک بُت کا ذکر ہے۔ یہ کون تھا؟

یہ ایک نیک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جس کے نام پر بُت بنایا گیا تھا۔ (بخاری ۲ ص ۷۲۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت ربیعؒ بن انسؓ وغیرہ حضرات مفسرین کرامؒ کا بیان ہے کہ لات ایک آدمی کا نام تھا، جو ایامِ جاہلیت میں حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔

فلما مات عکفوا علی قبرہ فعبدوہ (ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۳)

جب اس کی وفات ہو گئی تو لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دیا اور اس کی عبادت ہونے لگی

یہ عبادت کس طرح کی تھی؟ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

وبکت الله سبحانه مشرکی مکة بقولهم لرجل صالح كان يلتّ السويق للحجاج انه نصب منصب الألوهية فجعلوا يستعينون به عند الشدائد (تجديد ما نفعه ص۲۳)

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی تکفیر کی اس لیے کہ انہوں نے ایک نیک انسان کو جو حاجیوں کو پانی میں ستو ملا کر پلایا کرتا تھا منصب الوہیت دے دیا تھا اور تکالیف میں اس سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔

فائدہ: حضرت مفتی سعد اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

رجل يلتّ بالسويق بالطائف و كانوا يعكفون على قبره فجعلوه وثنا (کاشف ظلام ص۱۲)

کہ لات طائف میں لوگوں کو پانی میں ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کی قبر پر ہجوم شروع کر دیا، حتیٰ کہ اس کو بُت ہی بنا دیا۔

(۳) جب ۸ھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس ہزار قدسیوں کی معیت میں مکہ مکرمہ فتح کیا تو اس وقت کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بُت نصب تھے۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ صورۃ ابراہیم و اسمٰعیل فی ایدیھما من الازلام (حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں بھی تھیں، جن کے ہاتھوں میں لاٹری کے تیرے دکھائے گئے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۴)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ان تصویروں اور مجسموں میں ایک حضرت مریمؑ کی تصویر بھی تھی (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۰۳)

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ عزّیٰ ایک پری تھی، جن درختوں میں اس کا ظہور ہوا تھا، ان کو لوگوں نے متبرک سمجھ کر عبادت گاہ بنا لیا تھا:

(معجم البلدان ۲ ص ۱۶۵)

حافظ ابن کثیرؒ، امام نسائیؒ اور امام بیہقیؒ کی سند سے یہ روایت کرتے ہیں کہ جب ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو عزّیٰ کی بیخ کنی کے لیے بھیجا، وہ گئے اور کیکر کے تین درخت کاٹ کر اور ایک مکان کو منہدم کر کے چلے آئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ اے خالدؓ! کیا کر آئے؟ انہوں نے سارا قصہ سنا دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے کچھ بھی نہیں کیا، پھر جاؤ اور جا کر عزّیٰ کو ختم کر آؤ۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے، تو مجاور یہ کہہ رہے تھے۔ یا عزّیٰ، یا عزّیٰ، آتے ہیں:-

فاذا امرأة عريانة ناشرة شعرها تحثو التراب على راسها حتى قتلها ثم رجع الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخبره فقال تلك العزّى الخ (البداية والنهاية ج۱۶ وابن کثیرج۴ ص۲۵۴)

ایک عورت نکلی جس کا بدن ننگا تھا۔ جو بال نوچ رہی تھی اور سر پر خاک ڈال رہی تھی حضرت خالدؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں آئے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں یہ عزّیٰ تھی جو قتل کر دی گئی ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عزّیٰ ایک پری تھی، جس کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ اس کی جلائے ظہور کے کیکروں کا ذکر تو کیا جاتا ہے مگر عزّیٰ کا نہیں ہوتا اور شرک کی حقیقت کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

(۵) منات بھی انسان کا نام تھا۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن میں بتوں کے لیے نام جو کہ انسانوں کے تھے، یہ ہیں، لات و منات وغیرہ۔

یہ قریش کے بتوں کے نام ہیں۔ (تفسیر اتقان ج۲ ص۲۵۲ اردو)

(۶) قرآن کریم میں جو بعل کا ذکر آتا ہے، علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں بعل ایک عورت کا نام ہے جس کی بہت لوگ عبادت کرتے تھے۔ (تفسیر اتقان اردو ج۲ ص۳۵۲ و مثلہ فی ابن کثیر ج۴ ص۲۰)

(۷) اہلِ عرب میں دو مشہور بُت تھے اساف اور نائلہ، اور یہ بھی امام نووی وغیرہ کی تصریح سے دو انسان تھے۔ مرورِ زمانہ کی وجہ سے لوگوں نے ان کی عبادت اور پرستش شروع کر دی تھی۔ (نووی شرح مسلم ص۴۱۴)

حضرت ابن ابزیٰؓ سے روایت ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ادھیڑ عمر کی ایک حبشی نائلہ بکھرے بالوں والی واویلا کرتی ہوئی اور اپنے رخساروں کو نوچتی ہوئی جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

تلك نائلة آيست ان تعبد ببلدكم هذا ابداً۔ — یہ نائلہ ہے یہ اس سے ناامید ہو چکی ہے کہ تمہارے اس شہر میں کسی بھی وقت اس کی پوجا ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج۴ ص۳۰۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ نائلہ بھی عزّیٰ کی طرح کوئی مونث جن اور پری تھی جس کی مشرکین پرستش اور پوجا کرتے تھے۔

(۸) عرب کا ایک مشہور بُت تھا جس کا نام ہُبَل تھا۔ یہ ایک بُت اور مجسمہ تھا جو ہابیل کے نام پر لوگوں نے بنا رکھا تھا۔ (فیض الباری ج۴ ص۹۶)

چونکہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے شہید کر دیا تھا۔ اس لیے اس شہید مظلوم سے عرب کے مشرک مصیبت اور تکلیف کے وقت اور خاص طور پر جنگ کے موقع پر (جیسا کہ حضرت ابوسفیانؓ نے بحالتِ کفر جنگ احد میں اُعْلُ ھُبَل کا نعرہ بلند کیا تھا۔ بخاری ج۲ ص۵۷۹) استعانت اور استمداد کیا کرتے تھے۔ اور ان کا ایک عظیم الشان مجسمہ تیار کر کے یادگار کے طور پر کعبہ کے اندر نصب کر رکھا تھا۔

مشہور مورخ علامہ ہشام کتاب الاصنام میں لکھتے ہیں:

أعظمهم عندهم هبل وكان — ان سب میں ان کے خیال میں بڑا ہُبَل تھا، صورة الانسان مكسورة اليد — جو انسانی صورت کا ایک مجسمہ تھا جس

الیمنی (بحوالہ اغاثۃ اللھفان ج ۲ ص۲۱۵) کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔

کیا بعید ہے کہ قابیل نے سب سے پہلے ان کا دایاں ہاتھ ہی توڑ یا کاٹ دیا ہو تاکہ ان میں مقابلہ اور مزاحمت کی طاقت ہی نہ رہے۔ مگر وہ تو پیکر عفو و کرم تھے سہ

حال میں اپنے مست ہوں، غیر کا ہوش ہی نہیں
رہتا ہوں میں جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

(۹) ابرہہ نے صنعاء۔ یمن میں کعبہ کے مقابلہ میں جو گرجا تعمیر کرایا تھا۔ اس میں اس نے عرب کے مشہور مذہبی اور سیاسی راہنما کعب اور اس کی بیوی کا مجسمہ نصب کرایا تھا۔ (حاشیہ اغاثۃ اللھفان ج ۲ ص۲۲۰)

(۱۰) حضرت عثمانؓ نہدی کا بیان ہے کہ ہمارا ایک صنم تھا۔ جو عورت کی صورت پر جست سے تیار کیا گیا تھا۔ (حاشیہ اغاثۃ مذکور ص ۲۲۱)

(۱۱) حضرت ابو سفیانؓ سے روایت ہے کہ ان کو ایک ایسے گرجے اور عبادت خانے میں جانے کا موقعہ ملا جس میں جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کی تصویریں اور فوٹو آویزاں تھے۔ (مجمع البحار ج ۲ ص۳۱۹ وغیرہ فی ابن کثیر ج ۲ ص۳۵۳) لیکن اس میں روایت حضرت جبیرؓ بن مطعم سے ہے۔

بہت ممکن ہے کہ اہل کتاب نے حضور کا حلیہ مبارک محفوظ رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہو، اور روایات سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) نے امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ کی سند سے (جس کی اسنادہ لا باس بہ کہ کر انھوں نے تصحیح بھی کی ہے) حضرت ہشامؓ بن العاص الاموی سے ایک طویل روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے دمشق میں شاہی محل میں پادریوں کے پاس حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ہارونؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ

علیہم الصلوات والتسلیمات کی تصویریں اور فوٹو دیکھے تھے جب، کہ وہ سفیر اور قاصد بن کر تشریف لے گئے تھے۔ (تفسیر ابنِ کثیر ج ۲ ص ۲۵۱ مخلصاً)

(۱۲) ہندوؤں کے ہاں برہما کا مجسمہ مشہور ہے۔ یہ کون تھے؟

علامہ عبدالکریم حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے ہاں برہما وہی ہیں جن کو اہل کتاب ابراہام اور مسلمان ابراہیم علیہ السلام سے تعبیر کرتے ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت سے کہ اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! میں تجھے تمام انسانوں کے لیے پیشوا بنانے والا ہوں) اس کی تائید ہوتی ہے (حاشیہ برہان ص ۲۲۰ بابت اپریل ۱۹۵۲ء)

اسی طرح بدھ، کرشن اور رام چندر، سیتا وغیرہ کے مجسمے تصویریں اور فوٹو بھی دراصل انسانوں کی عظمت اور ان کی شہرت کی یادگاریں ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک من کی لکڑی یا پتھر حاجت روا اور مسجود ہو سکے لیکن جب اس کو چھیل یا تراش کر دس سیر کر دیا جائے تو وہ سب کچھ کر سکے؟

بات یہ ہے کہ بن گھڑے پتھر اور لکڑی میں اس ہستی کی سی آنکھیں، ناک اور کان وغیرہ نہیں ہوتے مگر جب صنم اس کی شکل پر بن گیا تو صاحب مجسمہ کے نام پر وہ قبلہ توجہ ہو گیا لیکن اصل عقیدت اور محبت لکڑی اور پتھر سے نہیں بلکہ محبوب انسان وغیرہ سے ہے۔

(۱۳) حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے ملک حبشہ میں ایک گرجا دیکھا تھا جس میں کچھ فوٹو اور تصویریں تھیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں میں جب کوئی نیک اور صالح آدمی مرجاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد اور تکیہ بنا لیتے تھے، اور اس کا فوٹو اور تصویر بنا کر نصب کر لیتے تھے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔ (صحیح بخاری ا ص ۶۱)

حضرات! آپ جہاں تک بھی سراغ نکالیں گے۔ آپ کو یہی ملے

گا کہ بتوں کی اصل ، صاحب مجت ، اور تصویروں کی اصل ، صاحب تصاویر تھے ۔ آج بھی مذہبی اور سیاسی راہنماؤں کے سینکڑوں بت اور مجسمے بنظر عقیدت لوگ نصب کرتے ہیں ۔ عقیدت مجسموں سے نہیں ہوتی بلکہ صاحب مجسمہ سے ہوتی ہے ۔ آپ ہندوؤں اور دیگر بت پرست قوموں سے پوچھ دیکھیں ان میں ارباب فہم و انصاف صاف بتائیں گے کہ اسی نظریے سے انہوں نے اپنے مذہبی اور سیاسی بزرگوں کے نام پر بت بنائے ہیں ، پیتل ، چاندی ، لکڑی ، اینٹ اور پتھر کے بے جان مجسموں سے انہیں کوئی لگاؤ اور محبت نہیں ۔ ان سے جو تعلق بھی ہے ، وہ بزرگوں کی عقیدت کی وجہ سے ہے ۔ شیطان کے لیے یہ تو از حد مشکل تھا کہ وہ کلمہ پڑھنے والوں کو بتوں کی پرستش کراتا ۔ کیونکہ اس محاذ پر وہ ایسی شکست کھا چکا تھا کہ اس کا دوبارہ سر اٹھانا تقریباً محال تھا ۔ اس لیے اس نے پینترا بدلا ، اور بزرگوں کے بتوں اور مجسموں کے بجائے قبروں سے وہی عقیدت رکھنی شروع کرا دی جو پہلے بتوں اور مجسموں سے وہ بار ہا کرا چکا ہے ۔

اسی واسطے جناب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زوردار الفاظ میں امت کو متنبہ فرمایا ۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو درد و کرب کی وجہ سے بار بار آپؐ چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھا کر ارشاد فرماتے رہے ، خدا کی لعنت ہو یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا ۔ یہ اس لیے فرماتے تاکہ آپؐ کی امت آگاہ ہو جائے اور کہیں ایسا نہ کرنے لگے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ نے کیا تھا ۔ (بخاری ا صـ۶۲ مسلم ا صـ۲۰۱) بلکہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں :۔ قبور انبیاءھم و صالحیھم ۔ کہ لعنت ہو یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کرتے تھے :۔

اللّٰہم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللّٰہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد (مشکوٰۃ ص ۷۲ رواہ مالک مرسلًا)

اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے اس قوم پر خدا کا بہت ہی غضب ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو آگاہ فرمایا تھا افسوس! آج اکثر بہت کے ساتھ کلمہ گو اس خرابی میں مبتلا ہی نہیں بلکہ اس کو شرعی لباس اور غلاف پہنایا جاتا ہے۔ فوا اسفا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

دُنیا کا کوئی عقلمند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کبھی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھر وغیرہ کی عبادت کی ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا، پیغمبروں، بزرگوں، جنوں اور دیگر باعزت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا۔ کسی کا مجسمہ قبلۂ توجہ سمجھا گیا، تو کسی کا فوٹو، کسی کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ کو متبرک سمجھ کر اس کی پرستش کی گئی تو کسی کی قبر کو قاضی الحاجات سمجھا گیا۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ابو رجاء عطاردیؒ کی روایت سے (جو بخاری ج ۲ ص ۶۲۸ وغیرہ میں ہے) یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگ محض اچھے سے اچھے پتھروں کی پوجا پاٹ اور طواف بھی کیا کرتے تھے اور جب پہلے سے عمدہ پتھر مل جاتا تو پہلے کو پھینک دیتے تھے، حالانکہ وہ پتھر بن گھڑے ہوتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن القیمؒ

لہ حضرت عطاءؒ بن یسارؒ نے بسند صحیح یہ روایت حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مرفوعًا بیان کی ہے۔ اور اس مضمون کی مرفوع روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

(زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۳۵۱ و تنویر الحوالک ج ۱ ص ۱۳۳)

لکھتے ہیں کہ اہلِ مکہ جب دور دراز ملکوں میں سفر کرتے تھے :-

حمل معہ حجراً من حجارۃ الحرم تعظیما للحرم فحیث ما نزلوا وضعوہ فطافوا بہ کطوافہم بالبیت حباً للبیت وصبابۃ بہ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۸۸ واغاثۃ اللہفان ج ۲ ص ۲۱۲)	تو اپنے ساتھ حرم شریف کے پتھروں میں سے کوئی پتھر اٹھا لیتے، محض حرم کی تعظیم کی وجہ سے، اور جہاں ٹھہرتے اس کو رکھ کر اس کا طواف کیا کرتے تھے، جیسے بیت اللہ کا طواف کیا جاتا تھا اور یہ صرف بیت اللہ کی محبت اور عشق کی وجہ سے کرتے تھے۔

زمانہ گزرنے کے بعد بلاشک لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہوگا۔ لیکن دراصل پتھروں کی تعظیم اور طواف بھی اگر کیا جاتا تھا تو اس لیے کہ تعظیم بیت اللہ اور حرم شریف کی عقیدت اور عزت کا پہلو اس سے نمایاں ہوتا ہے اور بیت اللہ اور حرم کی تعظیم جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے خلوص کی یادگار ہے، خود صدِ تکریم کی مستحق ہے کسی نے پتھر کو محض پتھر سمجھ کر الوہیت کا درجہ کبھی نہیں دیا۔ دیکھئے، ویسے تو عرب میں ہزاروں، بلکہ لاکھوں درخت موجود تھے۔ مگر نہ تو کسی کی عقیدت ان سے وابستہ ہوئی اور نہ حضرت عمرؓ کی دُور رس نگاہ اور دقیق تدبیر نے ان کو کٹوانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کٹوایا بھی تو صرف وہ درخت جس کے نیچے امام الدنیا والآخرۃ، سید الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر تقریباً پندرہ سو ۱۵۰۰ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی تھی۔ (دیکھئے ازالۃ الخفاء جلد ص واغاثۃ اللہفان ج ۱ ص ۲۰۹) کیونکہ شرک کی ابتداء ہی بزرگوں، اولیاء اللہ کی قبروں، ان کی عبادت گاہوں اور نشست و برخاست کی جگہوں سے ہوئی ہے۔

لیجیے! اب آپ صنم اور وثن کا معنیٰ بھی سُن لیں :- امام ابن جریرؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) اور علامہ خازن (المتوفی ۷۴۱ھ) لکھتے ہیں :-

والاصنام جمع صنم وهو التمثال الذي يتخذ من خشب او حجارة او حديد او ذهب او فضة على صورة الانسان وهو الوثن ايضا

اصنام صنم کی جمع ہے۔ اور وہ ایسا مجسمہ ہے جو لکڑی، پتھر، لوہے، سونے اور چاندی وغیرہ کا انسان کی صورت پر بنایا جاتا اور یہی وثن کی تعریف ہے۔

(تفسیر ابن جریر ص ۱۵۹ وخازن ج ۳ ص ۴۲۱)

اور رئیس المحققین، شمس المحدثین وامام المتکلمین سید شریف جرجانی الحنفی رہ (المتوفی سنہ ۸۱۶ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

فانهم لا يقولون بوجود الهين واجبي الوجود ولا يصفون الاوثان بصفات الالهية وان اطلقوا عليها اسم الالهة بل اتخذوها على انها تماثيل الانبياء او الزهاد او الملئكة او الكواكب واشتغلوا بتعظيمها على وجه العبادة توصلا بها الى ما هو اله حقيقة

(بلفظہ شرح مواقف ص ۸۰۵ طبع نولکشور)

بت پرست دو واجب الوجود الٰہوں کے قائل نہیں اور نہ وہ اوثان کو صفات الوہیت سے متصف مانتے ہیں اگرچہ وہ ان پر الٰہہ کا اطلاق کرتے ہیں بلکہ انہوں نے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا نیک بندوں یا فرشتوں یا ستاروں کی تصویریں اور فوٹو بنا کر عبادت کے طور پر ان کی تعظیم کرنا شروع کر دی تاکہ وہ اس طریقہ سے الٰہ حقیقی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

حضرت امام فخر الدین الرازی رہ (المتوفی سنہ ۶۰۶ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

انهم وضعوا هذه الاصنام والاوثان على صور انبيائهم واكابرهم وزعموا انهم متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فان اولئك الاكابر تكون شفعاء لهم عند الله تعالى

ان مشرکوں نے یہ اصنام و اوثان اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی صورتوں پر بنائے تھے اور انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ جب وہ انکی مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اکابر اور بزرگ ان کے حق میں اللہ تعالےٰ

ونظیرہ فی ھذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد انہم اذا عظموا قبورھم فانہم یکونون شفعاء لہم عند اللہ تعالی۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۸۱)

کے ہاں سفارش کرتے ہیں اور اس کی نظیر اس زمانہ میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی اس اعتقاد کے تحت تعظیم کرتے ہیں کہ اس طریقہ سے وہ بندگ اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحبؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والمشرکون وافقوا المسلمین فی تدبیر الامور العظام وفیما ابرم و جزم ولم یترک لغیرہ خیرۃ و لم یوافقوھم فی سائر الامور ذھبوا الی ان الصالحین من قبلہم عبدوا اللہ وتقربوا الیہ فاعطاھم اللہ الالوھیۃ فاستحقوا العبادۃ الی ان قال وقالوا ھؤلاء یسمعون ویبصرون ویشفعون لعبادھم ویدبرون امورھم وینصرونھم فنحتوا علی اسمائھم احجارا وجعلوھا قبلۃ عند توجھم الی ھؤلاء الخ۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ طبع مصر ص ۵۹)

مشرکین کا مسلمانوں کے ساتھ اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ بڑے بڑے کاموں کی تدبیر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور ایسے ہی وہ کام بھی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پختہ فیصلہ کر دیا ہے اس نے اور کسی کو ان میں اختیار نہیں دیا لیکن تمام امور میں مشرک قومیں مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں رہیں ان کا مذہب یہ رہا ہے کہ ان سے پہلے جو نیک بندے گزرے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی ہے اور اس کا تقرب حاصل کیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت اور حاجت روائی کا عہدہ دیا ہے سو وہ مخلوق کی طرف سے عبادت کے مستحق ہو گئے۔ (آگے چل کر فرمایا) اور مشرکین نے کہا کہ وہ صالحین اب بھی سنتے اور دیکھتے ہیں، اور اپنی عبادت

کرنے والوں کی سفارش کرتے ہیں اور ان
کے کاموں کی تدبیر اور اُن کی نصرت کرتے
ہیں، پھر ان صالحین کے ناموں پر انہوں
نے پتھروں کے بُت بنائے اور صالحین کی
طرف توجہ کرتے وقت ان کے بتوں کو قبلۂ
توجہ بنایا۔

حضرت حکیم الامت ؒ کی یہ عبارت جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے بھی اپنی کتاب اعلاء کلمۃ اللہ ص ۱۲۳ میں نقل کر کے اس سے استدلال و احتجاج کیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ ایک مقام پر مشرکین کے بعض فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

انهم عمدوا الى اصنام اتخذوها على صور الملائكة المقربين اھ (تفسیر ج ۴ ص ۵۴)	انہوں نے ملائکہ مقربین کی صورتوں پر بُت بنائے تھے (اور پھر اُن کی عبادت کرتے تھے۔)

اس سیر حاصل بحث کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہہ کر اپنے نفس ؎ کو دھوکا دے لے کہ شرک تو صرف وثن پرستی، صنم پرستی اور بُت پرستی کا نام ہے۔ اور کلمہ پڑھنے والا کوئی بھی پتھروں، درختوں اور اینٹوں سے

؎ یہ محض ایک مفروضہ ہی نہیں بلکہ فریق مخالف کے متعدد علماء یہ لکھتے ہیں۔ بغرض اختصار ایک ہی حوالہ ملاحظہ ہو مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں پھر وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں یہ روح بالکل نہیں۔ (انتہی بلفظہ جاء الحق ص ۲۰۳) سبحان اللہ! جب مفتی قوم کا یہ حال ہو تو دوسروں کی اصلاح کیسے اور کہاں سے ہو؟

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

یا تصویروں اور فوٹوؤں سے عقیدت نہیں رکھتا تو وہ ایک کھلے ہوئے مغالطہ کا شکار ہے۔ اس کو اپنا علاج کرا لینا چاہیئے بشرطیکہ اسے تائید ایزدی نصیب ہو

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

مگر صد افسوس کہ آج کلمہ گو مسلمانوں نے شرک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ مثلاً عالم الغیب۔ حاضر و ناظر مختار کل۔ نافع و ضار۔ رازق۔ پناہ دہندہ فریاد رس مشکل کشا۔ حاجت روا اور دافع البلاء والوباء ہونا وغیرہ وغیرہ غیر اللہ اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ صرف یہ کہ ثابت کرتے ہیں بلکہ اپنی اس کارروائی پر مُصر بھی ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور اس پر صرف کرتے ہیں بلکہ معاذ اللہ تعالیٰ خدا اور رسول کو۔ رسول اور پیر کو حتیٰ کہ خدا اور پیر کو گڈمڈ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں ہم اس جماعت کے ایک سرکردہ بزرگ خواجہ محمد یار صاحب (المتوفی ۱۳۶۷ھ) کے دیوان محمدی الموسوم بہ الٰہ فریدے کے چند اشعار پیش کرتے ہیں غور فرمائیں۔ خدا اور رسول گڈمڈ ہیں معاذ اللہ تعالیٰ

یکے بینم خدا و مصطفیٰؐ را فاش میگویم
کہ بیروں رفتہ ام ز اقلیم فرق و امتیاز ایں جا

(ص ۲۹ حصہ فارسی)

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰؐ معلوم ہوتا ہے
جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

(ص ۱۰۱ حصہ اردو)

محمد مصطفیٰؐ محشر میں طٰہٰ بن کے نکلیں گے
اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا بن کے نکلیں گے
حقیقت جن کی مشکل تھی تماشا بن کے نکلیں گے
جسے کہتے ہیں بندہ قل ہو اللہ بن کے نکلیں گے
بجاتے تھے جو انی عبدہٗ کی بنسری ہر دم
خدا کے عرش پر انی انا اللہ بن کے نکلیں گے

(ص ۱۰۳)

احمد احد میں فرق نہیں ہے محمدا
عشاق یار سمجھتے ہیں ایمان سنتے (ص ۱۰۴)
گو قمر نے محمد کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں (ص ۱۰۵)

ؔ محمد دی صورت ہے صورت خدا دی (صلی اللہ علیہ وسلم) — میرے دل توں نقشہ مٹا کوئی نہیں سکدا (ص۲۲ حصہ ثانی)

ؔ احد نال احمد رلا کیوں نہ ڈیکھاں — حبیب خدا کوں خدا کیوں نہ ڈیکھاں (ص۱۳۶ ")

ؔ محمد محمد بکیندیں گزر گئی — احد نال احمد ملیندیں گزر گئی (ص۱۳۵ ")

ؔ میں اپنی حیاتی توں قربان تھیواں — خدا کوں محمد سڈیندیں گزر گئی (ص۱۳۵ ")

ؔ احمد احد کوں ڈوں نہ کر — من گھن جپ راز چوں نہ کر (ص۱۴۰ ")

رسول اور پیر گڈ مڈ ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ)

ؔ بجائے چشم بینا از مدینہ بر سر ملتان — بشکل صفدریں خود رحمۃ للعالمین آمد (ص۲۲)

ؔ بیا در کوٹ مٹھن تا رخ خیر الوریٰ بینی — کہ در شکل فرید آمد شہنشاہ حجاز ایں جا (ص۶)

خدا اور پیر گڈ مڈ ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ)

ؔ صورت رحمان ہے تصویر مجھے پیر کی — علّم القرآن ہے تقریر میرے پیر کی (ص۹۲)

ؔ کیا خدا کی شان ہے یا خود خدا ہے جلوہ گر — طلعت اللہ ہے تصویر میرے پیر کی (ص۹۳)

ؔ تختِ فرید تخت ہے ربِ فرید کا — نقشہ کھچا ہوا ہے عرش مجید کا

مخفی ہیں دیکھتے ہیں سمیع و بصیر ہیں — منکر کو ہے وعید عذاب شدید کا

اَبعد بعید سب کہیں یا ایہا الفرید — ہاں فرق اٹھ چکا ہے قریب و بعید کا (ص۹۵)

ؔ فرید با صفا ہستی۔ محمد مصطفیٰ ہستی — چہ گویم چہ ہستی۔ خدا ہستی خدا ہستی (ص۹۲)

ؔ خدا کو ہم نے دیکھا کوٹ مٹھن کی گلیوں میں — خدا بے پردہ ہے جلوہ نما مٹھن کی گلیوں میں

ؔ فرید پاک کی صورت میں یہ کس نور کا جلوہ ہے؟ — تو بے رنگی میں اکثر ہے مٹھن کی گلیوں میں (ص۱۱۲)

آخر میں اس غالی کا ایک اور شعر سنیئے اور داد دیجئے اس خود ساختہ عشق کی۔

ؔ بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی — ہے خداوند جہاں بندہ رسول اللہ کا (ص۹۸)

معاذ اللہ یہ سب کچھ کہہ کر بھی یہ لوگ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے پیشوا بنے بیٹھے ہیں اور اہل حق ان کے نزدیک گستاخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے ان کے باطل نظریات سے اور اہل حق کا ساتھ نصیب فرمائے آمین۔ ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔

اتنی بات تو ہر کلمہ گو جانتا ہے کہ عرب کے جن لوگوں کی طرف براہِ راست اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔ وہ مشرک تھے۔ لیکن سوال یہ ہوگا کہ شرک کی کیا چیز ان میں موجود تھی جس کی بنا پر وہ مشرک قرار دیئے گئے۔ اگر آپ ذیل کی آیات کو پڑھیں گے تو آپ کو حقیقتِ حال سے کچھ آگاہی ہو جائے گی:۔

① وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝ (پ۲۵، زخرف، ع۷)

اور اگر آپ ان (مشرکوں) سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو البتہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پھر کہاں سے الٹے جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکینِ مکہ (اور عرب) نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ہی قائل تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً اپنا خالق مانتے تھے۔

② وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۝ (پ۲۴، زمر، ع۴)

اگر آپ ان (مشرکوں) سے پوچھیں کہ کس نے بنائے آسمان اور زمین، تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکینِ مکہ زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی کو تسلیم کرتے تھے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی تردد نہ تھا

(۳) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (پ۲۱ سورۃ عنکبوت - ع۶)

اور اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ کس نے بنائے ہیں آسمان اور زمین اور کس نے کام میں لگایا ہے سورج اور چاند؟ تو ضرور کہیں گے خدا تعالیٰ نے، پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب خدا تعالیٰ کو زمینوں اور آسمانوں[1] کا خالق ماننے کے ساتھ سورج اور چاند کا پیدا کرنے والا اور ان کو مخصوص اور متعین رفتار پر لگانے والا بھی اسی کو سمجھتے اور اس پر یقین رکھتے تھے۔

(۴) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۲۱، عنکبوت، ع۶)

اور اگر آپ ان مشرکوں سے پوچھیں کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی، پھر زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے (یعنی خشک ہونے) کے بعد تو ضرور کہیں گے، اللہ نے، تو کہہ سب خوبی اللہ تعالیٰ کو ہے، پر بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین عرب آسمان سے مینہ برسانے والا اور اس کے ذریعہ سے خشک اور مردہ زمین کو سرسبز اور شاداب کرنے والا بھی خدا تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔

(۵) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ

تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مشرکین عرب کو اس امر کا اعتراف تھا کہ تمام کائنات کے پیدا کرنے اور سب بڑے کاموں کی تدبیر کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور وہ اس میں منفرد ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۶۲) اور نیز لکھتے ہیں کہ عرش اور آسمانوں و زمینوں اور تمام جواہر کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ ہی متفرد ہے عرب کے مشرک یہود اور نصاریٰ سب اس کے مقر تھے۔ (ایضاً ج۱ ص۵۹)

وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

کا، اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے، اور کون نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ تو وہ بول اٹھیں گے کہ اللہ! تو کہہ پھر ڈرتے نہیں ہو، سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا، پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر گمراہی سو کہاں سے لوٹے جاتے ہو۔

(پ ۱۱، یونس، ع ۴)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان سے جو بارش نازل ہوتی ہے، اور سورج کی حرارت سے جو زمین کے مواد پر پہنچ کر اناج پیدا ہوتا ہے اور پھر انسان کو محیّر العقول طریقہ سے کان اور آنکھیں ملی ہیں، اور زندہ انسان سے جو نطفہ پیدا ہوتا ہے، یا وہ جانور سے جو انڈا پیدا ہوتا ہے، عالم سے جاہل اور نبی سے کافر پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح جو نطفہ سے انسان اور انڈے سے جانور اور جاہل سے عالم، اور کافر سے نبی پیدا ہوتا ہے، بلکہ تمام جہان میں جو کام بنتے اور بگڑتے ہیں۔ اور ذرہ ذرہ میں جو انقلابات پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا میں بیماری، تندرستی، صحت اور غنیٰ، عزت اور ذلت، بادشاہی اور گدائی، تخت یا تختہ، غرضیکہ جو کچھ بھی کسی کو ملتا ہے یا اس سے سلب ہوتا ہے۔ تو یہ سارے کام خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے اور وہی مدبر امر ہے۔ مگر ایسا یقین رکھنے کے باوجود وہ مشرک تھے۔

(۶) قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے، تو کہہ کہ پھر تم سوچتے نہیں۔ تو کہہ کون مالک ہے ساتوں آسمان

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○

(پ ۱۸، مومنون ع ۵)

کا اور مالک بڑے عرش (تخت) کا؟ اب بتائیں گے اللہ کو، تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے اختیار ہر چیز کا اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب بتائیں گے اللہ کو، تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے۔

ان آیات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مشرکینِ عرب زمینوں کا، ان پر بسنے والی تمام مخلوق کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے بلکہ سات آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا مالک بھی صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہی کو تسلیم کرتے تھے۔ بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ ساری چیزوں کا اختیار رکھنے والا بھی وہ محض اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو مانتے تھے، اور مصائب سے بچانے والا اور ایسی تکالیف میں مبتلا کرنے والا کہ ان سے کوئی بھی کسی کو نہ بچا سکے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کرتے تھے مگر اس کے باوجود وہ مشرک تھے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیوں مشرک تھے؟ کیا خرابی تھی ان میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں نے ان کو مشرک کہا؟ ان کے شرک کی وجہ اسباب اور علت کیا تھی؟ سو یہ بات اچھی طرح سے قابلِ غور ہے

قارئینِ کرام! مشرکینِ عرب کے شرک کی وجہ ضرور تلاش کرنا ہوگی کہ وہ کیوں اور کس وجہ سے مشرک ہوئے۔ ان کے شرک کی اصل وجہ تو باب دہم میں بیان ہوگی مگر اس سے قبل اس مسئلہ کو واضح اور اقرب الی الذہن کرنے کیلئے چند اہم اور ضروری امور عرض کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں جو باب ہشتم اور نہم میں پیش کئے جاتے ہیں۔

بعض لوگ مشرکین عرب کے جزوی نقائص اور عیوب بیان کر کے ان
کو ان کے شرک کے لیے کافی دلیل سمجھ لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واقعی
دوسری اقوام کی طرح ان (مشرکین عرب) کو بھی انسانی کمزوریوں سے دوچار ہونا
پڑا۔ لیکن یہ خرابیاں ان کے شرک کا سبب اور علت نہیں ہو سکتیں۔ دوسری طرف
ان میں ایسی خوبیاں بھی موجود تھیں جن کی نہ یہ کہ صرف اسلام نے اجازت ہی دی
ہے بلکہ ان کی تحسین بھی کی ہے۔ اختصاراً ان کی بعض خوبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے
تاکہ آپ کے لیے حقیقی اور اصلی شرک کی تہ تک پہنچنا آسان ہو جائے۔

اس سے پہلے مشرکین کا حاجیوں کو پانی پلانا، مسجد حرام تعمیر کرنا، حج کرنا، غلام
آزاد کرنا اور روزہ رکھنا وغیرہ مذکور ہو چکا ہے۔

مشرکین اور نماز

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ تمام مشرک باقاعدہ جماعتی رنگ میں
نماز پڑھا کرتے تھے لیکن قرآن کریم، احادیث اور تاریخ
عرب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین میں نماز کا تصور موجود تھا اور وہ نمازی
بھی تھے :-

(۱) اللہ تعالیٰ نے سورۃ ماعون میں ارشاد فرمایا ہے :-

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ — پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے

عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (پ۳۰، ماعون) بے خبر ہیں۔

اگر یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہوتی، تو یہ سمجھا جاتا کہ منافقوں کی تردید کی گئی ہے۔ لیکن اس سورۃ کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا ہے اور مکہ مکرمہ میں یا خالص مسلمان تھے یا خالص کافر اور مشرک، وہاں منافق موجود ہی نہ تھے اور خالص مسلمانوں (خصوصاً سابقین اوّلین) کی نماز تو ایسی نہ تھی جس کی اللہ تعالےٰ وَیْلٌ کے جملہ سے تردید فرماتا۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مشرکین مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو کسی رنگ میں نماز پڑھتے تھے اور اللہ تعالےٰ نے انکی نماز میں غفلت کی تردید بیان کی ہے۔

(۲) حضرت ابوذرؓ ایام جاہلیت میں یعنی اسلام لانے سے قبل نماز پڑھا کرتے تھے (مسلم ۲ ص ۲۹۶ و مستدرک ۳ ص ۳۴۱) بلکہ مسلم میں تو یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ کہ عشاء کی نماز پڑھتے تھے اور للہ محض خدا تعالیٰ کے لیے۔ حضرت ابوبکرہؓ نے دریافت کیا۔ اے ابوذرؓ! جاہلیت کے زمانہ میں تم کچھ عبادت بھی کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں کڑکتی دھوپ میں کھڑا ہو کر (فلا ازال مصلیا حتی یوذینی حرھا فاخر) نماز پڑھا کرتا تھا حتیٰ کہ مجھے دھوپ تکلیف دیتی تھی اور میں گر جایا کرتا تھا۔

حضرت ابوبکرہؓ نے پوچھا کہ کس طرف منہ کرتے تھے؟

حضرت ابوذرؓ نے کہا۔ جدھر خدا تعالیٰ پھیر دیتا تھا پھر جاتا تھا۔ (حتی ادخل اللہ علی الاسلام (مستدرک ۳ ص ۳۴۲ وقال الذھبی اسنادہ صالح) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی!

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوذرؓ زمانہ جاہلیت میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور پھر محض اللہ تعالیٰ کے لیے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم طلوع آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ ھی ساعۃ صلوٰۃ الکفار وہ کافروں کی نماز کا

وقت ہے (نسائی ج ۱ ص ۹۲)

علامہ ابن اثیرؒ (کامل ج ۲ ص ۲۱ میں) لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ (سیرت النبیؐ شبلی ج ۱ ص ۱۹۲)

(۳) ایک جاہلی شاعر جبل بن العود کہتا ہے ؎

وَاَدْرَكْنَ اَعجَازًا مِنَ اللَّيْلِ بَعْدَ مَا

اَقَامَ الصَّلٰوةَ الْعَابِدُ الْمُتَحَنِّفُ (لسان العرب)

(سواریوں نے رات کے آخری حصہ کو پا لیا جب کہ عابد و دیندار اپنی نماز ادا کر چکا) اس شعر سے بھی معلوم ہوا کہ زمانۂ جاہلیت میں نماز کا تصور موجود تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: وكانت فيهم الصلوٰة کہ مشرکین عرب میں نماز کا دستور موجود تھا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۲۲)

زکوٰۃ اور مشرکین عرب

اہلِ جاہلیت جانوروں اور زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ کے بھی قائل تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ (پ ۸ انعام ، ع ۱۶)

اور ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ اللہ کا حصہ ہے، اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل جاہلیت زمین کی پیداوار اور جانوروں سے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک حصہ مقرر کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ غیروں کے لیے بھی وہ حصہ مقرر کرتے تھے۔ لیکن بزعم خود مسلمانوں میں بھی آج کل اس کی کمی نہیں ہے۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور گیارھویں اور بزرگوں کے نذرانے بھی ادا کرتے رہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں ، وَکَانَتْ فِیْھِمُ الزَّکٰوۃ یعنی مشرکین عرب زکوٰۃ کے بھی قائل تھے ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۲۷)

عقیقہ اور مشرکین

مشرکین شرک کی حالت میں بچوں کا عقیقہ بھی کیا کرتے تھے ۔ (مستدرک ج ۴ ص ۲۳۹ ۔ قال الحاکم والذھبی صحیح)

عمرہ بھی کرتے تھے

چنانچہ حضرت ثمامہؓ بن اُثال نے حالتِ کفر میں عمرہ کا احرام باندھا تھا ، اور اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُنھوں نے دریافت کیا ، آپ نے فرمایا ۔ عمرہ پورا کرو ۔ (نسائی ج ۱ ص ۲۳)

اعتکاف بھی بیٹھا کرتے تھے

چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں : میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے ایامِ جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی کہ میں مسجد میں اعتکاف بیٹھوں گا ، لیکن بیٹھ نہیں سکا ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ نذر پوری کرو ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۷۲ او مسلم ج ۲ ص ۵۰)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ مسجد میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے ۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۲۷)

جنابت کا غسل بھی کیا کرتے تھے

چنانچہ جنگِ بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو حضرت ابوسفیانؓ نے جب کہ وہ اسلام نہ لائے تھے ، یہ منت مانی تھی کہ ہم اپنے مقتولین کا جب تک بدلہ نہ لیں گے ، میں جنابت کا غسل نہ کروں گا ۔ (سیرت النبی ، شبلی ج ۱ ص ۳۳۲)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ غسلِ جنابت ، ختنہ اور دیگر خصائلِ فطرت پر وہ کاربند تھے ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۲۷)

اور خطیب قسطلانیؒ لکھتے ہیں کہ وہ بیت اللہ کا حج اور ختنہ اور غسل جنابت کیا کرتے تھے۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۸۹)

خطوط کی ابتدا میں بھی باسمک اللّٰھم لکھا کرتے تھے (بخاری ص ۳۷۹ پ ۱ و سیرت النبی شبلیؒ ص ۴۷)۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۹۴) بلکہ جو کتبات عہد قدیم کے آجکل برآمد ہوتے ہیں، ان میں بعض پر بسم اللہ وغیرہ الفاظ نمایاں طور پر لکھے پائے جاتے ہیں۔ ایک کتبہ پر یہ لکھا ہوا تھا:۔

" بسم اللہ ھذا اماباہ شمر یرعش بیدة الشمس (ترجمہ: خدا تعالیٰ کے نام سے یہ وہ یادگار ہے، جو شمر یرعش نے سورج دیوی کے لیے بنائی ہے۔

(ملوک الارض حمزہ اصفہانی ص ۱۱۰ طبع کلکتہ)

مشرکین ختنہ بھی کیا کرتے تھے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان میں ختنہ کا رواج بھی تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۶ ونحوہ فی ارض قرآن ۲ ص ۲۲۲)

مُردوں کو قبروں میں دفن کرتے تھے چنانچہ بخاری ج ۱ ص ۶۱ میں روایت ہے کہ جہاں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی، وہاں مشرکین کی قبریں تھیں، جن کو اکھاڑا گیا تھا۔

نکاح کا یہ صحیح اور مروج طریقہ بھی ان میں رائج تھا۔ (بخاری ۲ ص ۷۶۹)

مشرکین سر کے بالوں میں مانگ بھی نکالا کرتے تھے ملاحظہ ہو مسلم ج ۲ ص ۲۵۷ و مشکوٰۃ ۲ ص ۲۸۰۔

اسلام نے سلام کہنے کا جو طریقہ بتلایا ہے اس کا ثبوت بھی اہل جاہلیت سے ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ جب اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں

لہ ممکن ہے کہ حضرت ابوذرؓ اسلام کے طریق سلام سے پہلے واقف ہو چکے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسلامی سلام ہی عرض کیا ہو۔ بظاہر یا رسول اللہ کا جملہ اسکا مؤید معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

حاضر ہوئے تو السلام علیک یا رسول اللہ کہا مسلم ۲ ص ۲۹۶) ایام جاہلیت کے شعراء کے کلام میں کثرت سے سلام کا رواج پایا جاتا ہے۔

اہلِ جاہلیت زیرِ ناف بال دور کرتے تھے اور وہ بغل کے بال بھی صاف کرتے اور ناخن بھی کٹواتے تھے

وعلیٰ ہٰذا القیاس خصائلِ فطرت کی بہت سی چیزوں پر کاربند تھے۔ (حاشیہ حجۃ البالغہ ا ص ۱۳۱ طبع بریلی) اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ خصائلِ فطرت کے پابند تھے (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۲۶)

حکیمؓ بن حزام نے زمانۂ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے۔ اور سو اونٹ محتاج لوگوں میں تقسیم کئے تھے۔ وَسَاقَ فِی الجاھلیۃ مائۃ بدنۃ اور سو بدنہ چلایا تھا۔ (اونٹ اور گائے وغیرہ کا مکہ مکرمہ میں قربانی کرنا شرع میں بدنہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرشیؒ لکھتے ہیں بدنۃ شتر و گاؤ قربانی کہ بمکہ قربانی کنند۔ صراح ص ۹۳۴)

عمرو بن لحی جس نے عرب میں شرک کی ترویج و اشاعت کی تھی، بسا اوقات ایامِ حج میں دس ہزار اونٹ ذبح کرتا تھا، اور دس ہزار سوٹ سالانہ مستحق لوگوں کو پہناتا تھا، گھی اور شہد ڈال کر عمدہ قسم کا حلوہ لوگوں کو کھلایا کرتا تھا اور ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۲ ص ۱۸۷)

اہلِ جاہلیت میں شریف خاندان کی عورتیں زنا کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، چنانچہ جب حضرت ہندہؓ اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے چند شرائط بتلائیں۔ ایک شرط یہ تھی کہ زنا نہ کرنا۔ حضرت ہندہؓ نے جواب دیا:۔

اَوَتَزنی الحرۃ؟ لَقَدْ كُنَّا نستحی من ذالك فی الجاھلیۃ فکیف	کیا شریف عورتیں بھی زنا کرتی ہیں؟ ہم تو زمانہ جاہلیت میں بھی زنا سے شرم کرتی تھیں۔

فی الاسلام (مستدرک ج۳ ص۲۷۵ و البدایہ ج۳ ص۱۹۳ و کتاب الاعتبار ص۲۲۵) تو اسلام میں ہم اس کا کیسے ارتکاب کر سکتی ہیں؟

زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کے نام عبداللہ وغیرہ بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ بن جدعان نامی ایک کافر تھا۔ (مسلم ج۱ ص۱۱۵ و ابوعوانہ ج۱ ص۱۰۰)

حضرت ابوبکرؓ کا نام زمانۂ جاہلیت میں عبداللہ رکھا گیا تھا۔ (مستدرک ج۳ ص۲۷۷) حضرت حارثؓ بن ہشام کے پردادا کا نام (جنھوں نے اسلام کا زمانہ ہی نہیں پایا تھا) عبداللہ تھا۔ (مستدرک ج۳ ص۲۷۷)

حضرت جابرؓ کے والد کا نام بھی عبداللہؓ تھا جو مسلمان ہو کر ۳ھ میں مقام احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ذبح اور نحر کا صحیح طریقہ بھی ان میں رائج تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۲۷)

اس کے علاوہ بھی مشرکین میں کئی ایک عمدہ خصلتیں[۱] موجود تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب نبوت اور رسالت عطا ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہؓ کے سامنے اس کا ذکر کیا اور فرمانے لگے کہ مجھے اپنی جان پر خوف محسوس ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی غمزدہ نہ کرے گا، اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، عیالدار لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاج لوگوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔ (بخاری ج۱ ص۳)

---

[۱] مہمان نوازی، مسافروں کی خدمت، صدقہ و خیرات، صلہ رحمی اور کمزوروں کی امداد و اعانت کا جذبہ بدرجۂ اتم ان میں موجود تھا۔ اور ان اوصاف کو وہ انسان کی سعادت اور کمال کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۲۷)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان چیزوں کی کیسی قدر کی جاتی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ جب اہلِ مکہ کی اسلام دشمنی سے تنگ آکر حبشہ جانے لگے تو برک غماد کے مقام پر ابن دغنہ ملا جو رؤسائے مکہ سے تھا، کہنے لگا۔ اے ابوبکر! کہاں؟ فرمایا جہاں خدا تعالیٰ کی عبادت کھل کر کر سکوں۔ ابن دغنہ نے کہا۔ آپ جیسا آدمی مکہ سے نہیں جا سکتا۔ کیونکہ آپ فقیروں کو مال دیتے، صلہ رحمی کرتے ہیں۔ عیالدار لوگوں کے بوجھ ہلکے کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ چنانچہ ابن دغنہ کافر حضرت ابوبکرؓ کو اپنی ذمہ داری پر واپس مکہ لے آیا۔ (بخاری ۱ ص۵۵۲)

اسی طرح عبداللہ بن جدعان ایک کافر تھا۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ جاہلیت میں مہمان نوازی اور صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور ناحق گرفتار شدہ قیدیوں کی اعانت کرکے ان کو چھڑاتا تھا، پڑوس کے حق میں بہت ہی اچھا تھا، اور غریبوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ کیا یہ کام اس کے لیے مفید ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا تو اس کے لیے یہ کام مفید ہو سکتے تھے۔ (اَوْ کَمَا قَالَ) (ابوعوانہ ج۱ ص۱۰۰ اور مسلم ج۱ ص۱۱۵ میں صرف یصل الرحم اور یطعم المسکین کے الفاظ موجود ہیں)۔

الغرض بہت سے نیک اور اچھے کام مشرکین مکہ کیا کرتے تھے نیز فرشتوں[1] پر بھی وہ ایمان رکھتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ زمانۂ حال کے بعض جہلاء کی طرح جنوں

---

[1] ان کا اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ کی ایک مقرب اور برگزیدہ مخلوق ہے جن کو ملائکہ کہا جاتا ہے جہاں اور جس کام پر ان کو مامور کیا گیا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، کھانے پینے پیشاب پاخانہ اور نکاح وغیرہ سے بالکل پاک ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ ص۱۲۵)

نے سمجھ رکھی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ازلی نور سے تسلیم کرنے اور ان کی بشریت سے انکار کرنے کی تعلیم رائج کر دی ہے۔ اُس وقت بھی فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہنے والے موجود تھے، لیکن نفس ملائکہ کو تسلیم کرتے تھے، بلکہ کراماً کاتبین کے بھی قائل تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے صنعاء کے ایک باشندہ کو قرض دے کر جو تحریر اس سے لکھوائی تھی۔ اس میں یہ مذکور تھا۔ اس پر خدا اور اس کے دو فرشتے گواہ ہیں۔ (سیرت النبی، شبلی احمد بحوالہ ذہبی ست ابن منبہ[1])

ناظرین:۔ اگر مشرکین عرب کے شرک کی وجہ نری اخلاقی کمزوری ہی ہو۔ جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ تو ایک تو اخلاقی کمزوری پر شرک کا اطلاق لغت کے لحاظ سے چنداں زیب نہیں دیتا۔ دوسرے آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ لیکن یہ جو فی نفسہٖ ہر ایک چیز عبادت اور کار خیر تھی۔ مشرکین کے لیے مطلقاً ثابت نہ ہو سکی۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ ایمان سے محروم تھے اور باوجود ان خوبیوں کے وہ مشرک تھے۔

تصویر کا دوسرا رُخ

یہاں تک تو آپ نے تصویر کا صرف ایک ہی رُخ ملاحظہ کیا ہے۔ اب دوسرا رُخ بھی دیکھیں کہ مشرکین عرب اگر مندرجہ ذیل احکامِ اسلام کے انکار کی وجہ سے مشرک قرار پاتے تھے۔ تو ان احکام کا ابھی تک نزول ہی نہیں ہوا تھا اور وہ باوجود اس کے مشرک تھے۔

مثلاً جہاد کی فرضیت ۲ھ[2] میں ہوئی۔ اور اسی سال رمضان کے روزے بھی فرض ہو گئے۔ صدقۂ فطر اور نمازِ عید وغیرہ کا حکم بھی اسی سال ہوا۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔ کانوا یقولون بالحفظۃ کہ اہلِ جاہلیت کراماً کاتبین کے قائل تھے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۲۶)

[2] ... [illegible]

(سیرت النبی ۱ ص ۲۳۹)

وراثت کا حکم اور نیز مسلمان مرد کا کافر عورت سے اور مشرک عورت کا مسلمان مرد سے نکاح کا حرام ہونا وغیرہ ۳ھ کو نازل ہوئے۔ (سیرت النبی ۱ ص ۲۵۶)

صلوٰۃ کسوف ۱۰ھ کو پڑھی گئی جس سال آپ کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۲ و مسلم ج ۱ ص ۲۹۷ و ابوعوانہ ج ۲ ص ۳۷۱) اور ان کی وفات ۲۹ شوال ۱۰ھ کو ہوئی تھی۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۵۲) اور سود کی حرمت بھی ۱۰ھ کو بیان کی گئی۔ (سیرت النبی ص ۵۱۸ / ۱)

شراب کی حرمت ۳ھ کے بعد ہوئی، جمعہ کی نماز ۱ھ کو مدینہ میں نازل ہوئی۔ (طبری ص ۱۲۵۶)

حضرت خدیجہؓ کی وفات ۱۰ نبوت میں واقع ہوئی اور ان کو بلانماز جنازہ دفن کیا گیا۔ کیونکہ ابھی تک نماز جنازہ کا حکم ہی نازل نہ ہوا تھا۔ (سیرت ۱ ص ۲۳۲ بحوالہ طبقات ابن سعد) بلکہ پانچ نمازیں بھی شب معراج میں فرض ہوئی ہیں اس میں اختلاف ہے[1] کہ معراج کس سن میں واقع ہوئی۔ بعض محدثین اور مؤرخین ۹ھ نبوت میں معراج تسلیم کرتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ ۹ھ میں مانتے ہیں۔ (فتح الباری ۷ ص ۱۵۵ و نووی ۱ ص ۹۱)

اور پانچ نمازیں بھی ابتداء میں دو رکعت سے زائد نہ تھیں۔ جب مدینہ

---

[1] صحیح تحقیق یہ ہے کہ معراج ۱۰ نبوت کے بعد ہوئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام نووی شرح مسلم ۱ ص ۹۲ میں نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۴۹ سال ۸ ماہ اور ۱۱ دن کی ہوئی تو ابوطالب کی وفات واقع ہوئی۔ اور تین دن بعد حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو اس لحاظ سے وفات حضرت خدیجہؓ ۱۰ نبوت کو ٹھہری۔ اور ابوداؤد میں موجود ہے:۔ وقد كانت خديجة توفيت قبل ان يفرض من الصلوٰة (ابوداؤد ۱ ص ۲۷۰) کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات فرضیت نماز سے قبل واقع ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امنہ)

طیبہ کی طرف ہجرت ہوئی تو اس وقت بڑھا دی گئی یعنی اقامت میں چار رکعتیں اور سفر میں دو ہی رکعتیں باقی رکھی گئیں (نسائی ا صہ ۵۳)

اذان کا حکم بھی مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔ (مسلم ج ا صہ ۱۶۴)

زکوٰۃ اگرچہ مکہ میں فرض ہو چکی تھی۔ لیکن زکوٰۃ کا نصاب مدینہ طیبہ میں مقرر کیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ صہ ۴۳۹)

حج کی فرضیت بھی بعض کے نزدیک ۶ھ میں اور بعض کے نزدیک ۹ھ میں ہوئی۔ وہو الصحیح (زاد المعاد ج ا صہ ۱۸۰)

اب آپ احکام اسلام کا اجمالی خاکہ پڑھ چکے۔ مگر یقین جانئے کہ ان میں سے کسی ایک چیز کے ترک کی وجہ سے مشرکین پر شرک کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ ابھی تک یہ چیزیں تو نازل ہی نہیں ہوئی تھیں۔ حالانکہ مومن مومن تھے اور مشرک مشرک۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شرک کی علت ان احکام کا ترک کرنا بھی نہیں، بلکہ مشرکین کے شرک کی وجہ اور سبب کچھ اور ہی تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مشرک تھے اور اہل ایمان کے مومن ہونے کی وجہ بھی کچھ اور ہی تھی کہ وہ ان احکام کو رکھتے ہوئے بھی مومن تھے۔ شرک کی علت اور وجہ تلاش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگ مشرکین نے عوام الناس کو صرف سطحی قسم کی باتوں میں الجھا رکھا ہے کبھی تو وہ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ شرک بتوں کی پوجا کا نام ہے حالانکہ اسی پیش نظر کتاب میں اصنام و اوثان کی باحوالہ بحث موجود ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کبھی یہ شوشہ چھوڑتے ہیں کہ مشرکین غیر اللہ میں ذاتی اختیارات مانتے تھے حالانکہ یہ بھی بالکل غلط ہے جیسا کہ اسی کتاب میں اس کی تصریح موجود ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ مشرکین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور مقام و احترام کے قائل نہ تھے اور اسی واسطے آپ کو نبی نہیں مانتے تھے لیکن باحوالہ گذر چکا ہے کہ یہ بات بھی نہیں غرضیکہ اس قسم کی کئی اور سطحی باتیں کہہ کر عوام الناس کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ ہم شرک میں آلودہ نہیں بلکہ دیگر قومیں اس میں مبتلا ہیں اور حقیقت میں وہ شرک کے دلدل میں پھنسے

ہوتے ہیں مشرکین مکہ اس شرک سے بڑھ کر ہرگز کوئی اور شرک نہیں کرتے تھے جس کو آج کے بعض کلمہ گو کرتے ہیں اور جس کے اثبات پر پورا زور صرف کیا جاتا ہے اور اس کے لیے خود ساختہ اور تار عنکبوت دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور یہ تو دنیا کا طریقہ ہے کہ خاموش کوئی بھی نہیں رہتا ہر آدمی کوئی نہ کوئی دلیل پیش کیا کرتا ہے اگرچہ سمجھدار لوگ اس سے متأثر نہیں ہوتے مگر کم علم اور وہم پرست ایسے بے بنیاد شبہات کا اکثر شکار ہو جاتے ہیں ایک کہاوت ہے کہ ایک مرتبہ چھوٹا سا جانور پدی (جس کے متعلق مشہور ہے کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا) زمین پر بیٹھ گیا وہاں گھاس تھا اور دھاگے اس میں اُلجھے ہوئے تھے پدی کی ٹانگ دھاگے سے لپٹ کر گھاس سے اُلجھ گئی پدی نے بڑا زور مارا مگر نکلنا اس کے بس کی بات نہ تھی کسی اور جانور نے پوچھا پدی کیا بات ہے؟ پدی نے کہا کہ میں زمین تول رہی ہوں حقیقت بات یہ ہے کہ دھاگے اور گھاس کے تنکے سے ٹانگ تو چھڑا نہ سکی مگر بات یہ بنا ڈالی کہ میں زمین تولنے کے درپے ہوں اللہ تعالیٰ ہر آدمی کو سمجھ کی توفیق نصیب فرمائے ورنہ ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب — گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

ممکن ہے کسی کو غلط فہمی ہو کہ وہ لوگ اس لیے مشرک تھے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، مگر یہ ان کے شرک کی وجہ نہیں۔ اگرچہ بعض قبائل میں یہ بے رحمانہ فعل ضرور موجود تھا لیکن سارے عرب میں یہ برائی نہ تھی۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اگر ساری ہی لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں تو عرب میں عورتیں کہاں سے آتی تھیں؟ اور نسل انسانی کس طرح پھلتی پھولتی تھی؟ دوسری دلیل یہ ہے کہ عرب میں ایسے قبائل بھی تھے جو ایسی لڑکیوں کو جن کے والدین ان کو زندہ درگور کرنے پر تلے ہوئے تھے، سرخ رنگ کی بیش قیمت اونٹنیاں دے کر خرید لیتے اور ان کی جان بخشی کراتے تھے۔ چنانچہ اشراف بنو تمیم کا یہ مستحسن فعل ہمیشہ یادگار رہے گا۔ (محاضرات علامہ خضری ص ۱/۳۴)

حالانکہ وہ لوگ بھی جو لڑکیوں کو زندہ درگور نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو خرید کر ان کی حفاظت کرتے تھے، وہ بھی مشرک تھے۔ اگر لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا ہی شرک ہوتا تو ایسے لوگ یقیناً مشرک نہ کہلاتے۔ حالانکہ معاملہ بالکل عیاں ہے۔ علاوہ بریں اس فعل قبیح پر لغتہً شرک کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا۔

کیا مشرکین عرب جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت[1] اور قرآن کریم کے انکار کی وجہ سے مشرک تھے؟ لیکن ان کے شرک کی یہ وجہ بھی نہیں تھی اس لیے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کے انکار سے ان کے کفر اور سرکشی میں مزید اضافہ ہوا، لیکن نفس شرک آپ کی رسالت اور قرآن کریم کے

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

وکان اھل الجاھلیة فی زمان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یسلمون جواز بعثة الانبیاء (حجة اللّٰہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۵)	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ کے مشرک اور اہل جاہلیت بعثت انبیاء کے جواز کو تسلیم کرتے تھے۔

اور لکھتے ہیں کہ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ ان کے لیے حلال اور حرام کے قوانین نافذ کیے ہیں اور یہ بھی مانتے تھے کہ محاسبہ اعمال بھی ضروری ہے۔ نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا بدی ہے۔ (حجة اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۵)

نیز لکھتے ہیں کہ اہل جاہلیت اس کو تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے (بلا جبر واکراہ) اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے:۔

رجلا منھم فیلقی وحیہ الیہ و ینزل الملک علیہ وانہ یفرض طاعتہ علیھم فلا یجدون منھا بدا ولا یستطیعون دونھا محیصا (حجة اللّٰہ البالغة ج ۱ ص ۱۲۶)	انہیں میں سے ایک آدمی کو بھیجتا ہے اور اسکی طرف اپنے فرشتے کے ذریعے وحی بھیجتا ہے اور ان لوگوں پر اسکی اطاعت فرض کرتا ہے، وہ اسکی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتے اور انکے لیے رسول کی اطاعت سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

رسالت اور نبوت کو تسلیم کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سا صحیح نظریہ قائم ہو سکتا ہے؟ البتہ یہ بات الگ ہے کہ انہوں نے رسول اور نبی کے لیے مافوق البشر طاقتوں کو ان کے عہدہ رسالت میں شامل کر دیا تھا لیکن آج کلمہ گو مسلمانوں میں بھی اس کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ع ابتداء وہ تھی انتہا یہ ہے۔

انکار کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کا سبب کچھ اور ہی ماننا پڑے گا۔

آپ ہی بتلائیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قوم عرب کی طرف براہ راست اور بلا واسطہ مبعوث ہوئے تو کیا وہ لوگ مشرک نہ تھے؟ یقیناً سارا عرب شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا۔ یہ چیز بھی آپ کو معلوم ہوگی کہ جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو آپ کو نبوت عطا ہوئی اور پیر کا دن تھا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر سوموار کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اسی دن میری ولادت ہوئی ہے اور اسی دن مجھے نبوت ملی ہے۔ لہٰذا اس کے شکریہ پر میں روزہ رکھتا ہوں۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۶۸ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۹)

اب پوچھنے کی بات یہ ہے کہ آپ کو نبوت تو سوموار کو عطا ہوئی، اور اسی دن سے قرآن کریم بھی نازل ہونا شروع ہوا۔ تو کیا اہل عرب سوموار سے قبل اتوار کو، ہفتہ اور جمعہ کو، ایک مہینہ اور سال قبل بلکہ سارا زمانہ قبل از نبوت مشرک تھے یا نہ تھے؟ اگر آپ ان کو مشرک نہیں مانتے تو یہ فرمائیے کہ قرآن کریم ان کو مشرک کیوں کہتا ہے؟ اور جب وہ مشرک نہ تھے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کن کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اور پھر آپ کو توحید بیان کرنے پر تکلیف کس نے دی تھی؟

اور اگر آپ یہ کہیں کہ وہ لوگ سوموار سے قبل بھی مشرک ہی تھے اور یقیناً وہ مشرک تھے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ انہوں نے تو ابھی تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی قرآن کریم کا انکار کیا تھا۔ کیونکہ نہ ابھی قرآن نازل ہوا، اور نہ ہی آپ کو نبوت ملی۔ اگر نفس شرک آپ کی نبوت کا انکار اور قرآن کریم سے انحراف کرنا ہوتا۔ تو چاہیئے تھا کہ وہ لوگ سوموار کے دن کے بعد مشرک کہلاتے، حالانکہ آپ اس بات پر متفق ہوں گے کہ وہ پہلے ہی سے مشرک تھے تو

ان کے شرک کی وجہ تلاش کرنا ہوگی کہ وہ کیا تھی ؟

ایک اور طرز سے اس سے بھی ترقی کر کے کہا جا سکتا ہے کہ شرک کی علت اور اس کا سبب نبوت کا انکار، اور آسمانی کتاب کا انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہود و نصاریٰ میں بھی قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق شرک موجود تھا۔ حالانکہ وہ تورات اور انجیل کو آسمانی کتاب ، اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا رسول بھی مانتے تھے بلکہ اجمالی طور پر وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بھی قائل تھے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَھُمْ آلایۃ اس کی واضح دلیل ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ مشرک تھے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ آسمانی کتاب اور نبوت کا انکار شرک کی علت نہیں، بلکہ شرک کی علت کچھ اور ہی ہوگی، اس کو تلاش کرنا ہے۔

رہا اس کا ثبوت کہ یہود و نصاریٰ نبوت کے قائل تھے ، اور تورات و انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتابیں تسلیم کرتے تھے ، تو قرآن کریم میں متعدد مقامات میں موجود ہے۔ بلکہ آپ کو موجودہ محرف بائیبل (یعنی انجیل وغیرہ) میں بھی اس کی پوری بحث مل سکتی ہے۔ چنانچہ انجیل میں موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (انجیل متی باب ۱۵۔ آیت ۲۴)

اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ رہا یہود و نصاریٰ کا آسمانی کتاب کے اور حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے اقرار کے ہوتے ہوئے مشرک ہونا تو قرآن کریم میں بہت سی آیتیں اس پر مذکور ہیں۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ کا مطالعہ باب ہفتم میں کر لیجئے۔

کیا شرک قیامت کے انکار کی وجہ سے ہوتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اکثر مشرک قومیں قیامت کا انکار کرتی تھیں اور مشرکین عرب کا ایک معتدبہ گروہ بھی قیامت کا منکر تھا جیسا کہ قرآن کریم اس پر شاہد عدل ہے لیکن ان میں قیامت کا اقرار کرنے والے بھی تھے اور باوجود اس کے وہ مشرک تھے۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، عامر بن مطرب، عبداللہ بن دیرہ بن قضاعہ، اور علاف بن شہاب تمیمی وغیرہ جاہلیت کے زمانے میں قیامت کے قائل تھے۔ (حاشیہ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۱ طبع بریلی) اور بعض اہل جاہلیت قبروں پر جانور ذبح کیا کرتے تھے کہ جس نے جانور ذبح کیا قیامت کے دن سوار ہوگا ورنہ پیدل (سبل السلام ۲ ص۱۹۱ و بذل المجہود جلد ۴ ص۲۱۱)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حاشیہ اعمال پر ایک حوالہ پہلے پیش ہو چکا ہے ایک اور ملاحظہ فرمایئے، وہ فرماتے ہیں: کانوا یقولون بالمعاد (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص۱۲۶) کہ اہل جاہلیت اور مشرکین عرب قیامت کے قائل تھے۔

مختصر اور قطعی بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نہ صرف یہ کہ قیامت کا اقرار کرتے تھے بلکہ جنت اور جہنم کو بھی تسلیم کرتے تھے:۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً (پ ۱، بقرہ ع ۹)	اور یہود کہتے تھے ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز۔
وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ (پ ۱۔ بقرہ ع ۱۳)	اور کہتے ہیں ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو یہودی اور نصرانی ہوں گے۔

اور انجیل متی باب ۲۲ آیت ۲۷، و انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۲۴ و انجیل لوقا باب ۲۰ آیت ۳۵ میں صاف طور پر قیامت کا ذکر موجود ہے۔ مگر باوجود اس کے یہود و نصاریٰ میں مشرک بھی تھے۔ اگر قیامت کا اقرار ہی شرک سے بیزاری کی دلیل ہوتی تو یہود و نصاریٰ کبھی مشرک نہ کہلاتے کیونکہ وہ قیامت کا اقرار کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ قیامت کا انکار شرک کا سبب اور علت نہیں بلکہ شرک کا سبب

کچھ اور ہی ہے۔

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اہلِ جاہلیت مسئلہ تقدیر کے منکر تھے لہٰذا اس لیے وہ مشرک تھے، کیونکہ وہ تقدیر کو بھی تسلیم کرتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحؒ لکھتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت ہمیشہ اپنے شعروں اور خطبوں میں تقدیر کا ذکر کرتے آئے ہیں اور شریعت نے اس کی مزید تاکید کی ہے (حجۃ اللہ البالغہ ۱ ص ۱۲۵)

سچ ہے۔ تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

بابُ دہم

قارئین کرام! دُنیا میں جتنے بھی مشرک کسی زمانہ میں گذرے ہیں۔ اُن کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نہ صرف ذات ہی موجود ہے، بلکہ وہ زمینوں اور آسمانوں کا خالق اور تمام کائنات ارضی و سماوی کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور وہی مدبّر امور اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے نیچے اور اس کے درے دوسری مخلوق کو بھی اِلٰہ مانتے تھے، اور ان کی عبادت بھی کرتے تھے للذا وہ "مشرک" قرار پائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو یہ حکم دیا کہ تم یہ اعلان کر دو کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اِلٰہ نہیں۔ جب وہ اِلٰہ ہی نہیں تو اس کی عبادت کیسے؟

① وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (پ ۱۷، انبیاء، ع ۲)	اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول، مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کوئی اِلٰہ نہیں، مگر میں، سو عبادت بھی میری ہی کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل جتنے بھی خدا تعالیٰ کے پیغمبر دُنیا میں تشریف لا چکے ہیں ان سب کو خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہوتا رہا کہ میرے بغیر کوئی اِلٰہ نہیں، اس لیے عبادت بھی میری ہی ہونی چاہیئے۔

② يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ	خدا اُتارتا ہے فرشتوں کو بھید اور وحی دے کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ (پ، نحل، ع) | کہ خبردار کر دو کہ بے شک کوئی الٰہ نہیں مگر میں، سو مجھ سے ڈرو۔

اس آیت میں بھی ثابت کیا گیا ہے کہ دعوتِ توحید پر تمام پیغمبروں کا اتفاق رہا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اِلٰہ (مختارِ کل، نافع وضار) نہیں۔ اس لیے ڈرنا بھی صرف اسی سے چاہیئے۔

(۳) حضرت نوح علیہ السلام قوم کی اصلاح کی خاطر بھیجے جاتے ہیں، تو وہ آکر فرماتے ہیں:-

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (پ، اعراف، ع) | اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

(۴) حضرت ہود علیہ السلام قوم سے فرماتے ہیں:-

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (پ، اعراف، ع) | اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

(۵) حضرت صالح علیہ السلام قوم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (پ، اعراف، ع) | اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر نبوت اور رسالت عطا فرمائی تو یہی ارشاد فرمایا:-

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (پ، طٰهٰ، ع) | بے شک میں جو ہوں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الٰہ نہیں، سو میری ہی عبادت کرو۔

ان تمام آیات میں اسی چیز کو دہرایا گیا ہے کہ الوہیت اور عبادت صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔ ان میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے حضرت امام الانبیاء، خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ

علیہ وسلم کو یوں خطاب فرمایا :-

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط سو آپ جان لیجیے کہ اللہ تعالٰے کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

(پ ۲۶، محمد ، ع ۲)

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں - ایک موقعہ پر جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے بطورِ علامت مجھے اپنی جوتیاں دے کر یہ فرمایا کہ جس آدمی سے تیری ملاقات ہو، وہ ایسا ہو کہ وہ صدق دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت دیتا ہو تو اس کو جنت کی خوشخبری سنا دینا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۵ وابوعوانہ ج ۱ ص ۱ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵)

(۹) حضرت عثمانؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی اس حالت میں وفات ہوگئی کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالٰے کے بغیر کوئی الٰہ نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۱ وابوعوانہ ج ۱ ص ۱)

(۱۰) حضرت معاذؓ بن جبل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط جنت کی کنجی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۲ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵)

(۱۱) حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ اور ان محمدًا عبدہ ورسولہ کی شہادت دے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ حرام کر دی ہے۔ (مسلم ا ص ۴۳ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵) یعنی اگر اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو موجب نار ہو تو وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی ایسا کام اس سے سرزد ہو چکا ہے تو اپنی سزا بھگت کر بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور تابیدِ نار اس کے لیے حرام ہے۔

(۱۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو نزع کے وقت یہ کہا کہ اے چچا جان! آپ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ دیں تاکہ میں آپ کے لیے قیامت کے دن شہادت دے سکوں۔ مگر بدبختی کہ اس نے یہ نہ کہا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۸۵ ومسلم ج ۱ ص ۴۰ وابوعوانہ ۱ ص ۱۲)

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، اور فرمایا، سب سے پہلا مطالبہ جو تم نے ان سے کرنا ہے وہ یہ ہوگا، شہادۃ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ (مشکوٰۃ ص۱۵۵ متفق علیہ)

(۱۴) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم اپنا ایمان تازہ کیا کرو۔ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا۔ وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا، کثرت سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھا کرو۔ (الترغیب والترہیب ۲ ص۲۳۹)

(۱۵) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی تھی کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر سختی سے کاربند رہنا کیونکہ اگر سات آسمان اور سات زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے۔ تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ وزنی ثابت ہوگا۔ (ادب المفرد ص۸۰ والترغیب والترہیب ۲ ص۲۴۰ وقال ابن کثیرؒ اسنادہ صحیح البدایہ والنہایہ ۱ ص۱۱۹ مستدرک ج۱ ص۴۹ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح) مستدرک وغیرہ کی روایت میں دو بیٹوں کا ذکر ہے اور ادب المفرد میں ایک بیٹے کا ذکر ہے۔

(۱۶) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے باری تعالیٰ! مجھے کوئی دعا بتلایئے جس سے میں آپ کو یاد کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ! یہ سب بندے کہتے ہیں میں ایسی دعا چاہتا ہوں جو صرف میرے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے موسیٰ! اگر سات آسمان اور ان میں بسنے والی مخلوق اور سات زمینیں اور جو کچھ اُن میں ہے، ترازو کے ایک پلڑے میں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا وزن زیادہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ ۱ ص۲۰۱ وقال المنذریؒ صححہ الحاکمؒ الترغیب ۲ ص۲۳۹)

(۱۷) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میدانِ محشر میں ایک ایسا مجرم پیش کیا جائے گا جس کے گناہوں اور بدکاریوں سے ننانوے رجسٹر پُر ہوں گے اور دوسری طرف ایک چھوٹے سے پرچے پر کلمۂ شہادت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہوگا۔ جب وزن کیا جائے گا تو کلمۂ شہادت بڑھ جائے گا۔ (ابن ماجہ ص۳۲۸ ومشکوٰۃ ۲ ص۴۸۶ والترغیب والترہیب ۲ ص۲۳۲، وقال الحاکم والذہبی صحیح ج ۱ ص۶)

یہ وہ شخص ہوگا جس نے نزع سے قبل کلمۂ توحید پڑھا ہوگا مگر اس کو عمل کی مہلت نہ مل سکی ہوگی، اس سے وہ کلمہ گو مراد نہیں جس کو زندگی تو ملی مگر اس نے اوامر اور نواہی کی پابندی نہ کی۔

(۱۸) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن بڑے بڑے موقع پر چھوٹے بچے، شہداء، علماء اور فرشتے مجرموں کے لیے سفارش کریں گے۔

ثم تشفع الانبیاء فی کل من کان یشہد ان لا الٰہ الا اللہ (الحدیث) (مستدرک ۴ ص۵۸۶)

پھر حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) ان لوگوں کے لیے سفارش کریں گے جنہوں نے لا اِلٰہ اِلّا اللہ کی شہادت دی ہوگی۔

(۱۹) جناب رسول خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین دعا وہ ہے جو عرفہ کے دن کی جائے۔

وافضل ما قلت انا والنبیون من قبلی، لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ (موطا امام مالک ص۱۶۵ والترغیب والترہیب ۲ ص۲۳۲)

اور بہترین وہ چیز، جو میں نے اور مجھ سے پہلے تمام پیغمبروں نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی الٰہ نہیں ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔

(۲۰) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ (ترمذی ۲ ص۱۷۳ وابن ماجہ ص۲۷۸ ومشکوٰۃ ۱ ص۲۰۱)

کہ سب سے بہتر اور افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے۔

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض لا الٰہ الا اللہ (مستدرک ص۴۹۴ ج۴) وقال الحاکم علی شرطهما وقال الہیثمی ورجاله رجال الصحیح مجمع الزوائد ج۸ ص۱۲

اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک زمین پر لا الٰہ الا اللہ پڑھا جاتا ہوگا۔

حضرات! آپ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ چکے ہوں گے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کیا اہمیت حاصل رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا رتبہ اور منزلت ہے۔ دوزخ کی ابدی سزا سے نجات حاصل کرنے اور جنت کی تحصیل میں بفضلہ تعالیٰ اس کو کتنا دخل ہے۔ پیغمبروں کی شفاعت، خدا تعالیٰ کی خوشنودی، اس پر کس حد تک موقوف ہے بلکہ لا الٰہ الا اللہ کی برکت ہی سے زمینوں اور آسمانوں کا نظام چل رہا ہے۔

(۲۲) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کو فرمایا کہ میں تمہیں ایک کلمہ بتانا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے وہ قبول کر لیا، تو تمام عرب تمہارے تابع ہو جائے گا۔ اور تمام عجم کا جزیہ تمہارے قدموں پر نچھاور کیا جائے گا۔ وہ کلمہ یہ ہے: لا الٰہ الا اللہ کہ کوئی الٰہ نہیں، مگر صرف اللہ تعالیٰ (مستدرک ج۲ ص۴۳۲ قال الحاکم والذہبی صحیح) قریش نے سن کر کہا:۔

اجعل الالہۃ الٰہا واحدا ان ھذا لشیء عجاب ۵ (پ۲۳ ص ع۱)

کیا اس نے سب الٰہوں کا ایک ہی الٰہ کر دیا ہے۔ بیشک یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ وہی لوگ جو بالیقین خدا تعالیٰ ہی کو اپنا اور زمین اور آسمان کا خالق، بلکہ مدبر الامر اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا مانتے تھے۔ ان کو صرف ایک الٰہ کے ماننے میں نہ صرف تامل تھا بلکہ تعجب بھی تھا، چونکہ وہ

سے اہلِ زبان تھے، وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ الٰہ کا معنیٰ کیا ہے؟ وہ سمجھتے تھے کہ جب ہم کلمۂ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھیں گے تو ہمیں کیا کرنا اور کیا کہنا پڑے گا، اور کیا چھوڑنا پڑے گا۔ اس لیے وہ اس کڑوے گھونٹ کے قریب ہی نہیں آتے تھے۔ قرآن کریم اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اٹیم بم سے کم نہ تھا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب مشرکین کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی الٰہ نہیں، تو ان کی کیا حالت وکیفیت ہوتی تھی؟ سُن لیجیے:۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (پ ۲۳، صٰفّٰت، ع ۲)

بے شک وہ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ تو وہ غرور کرتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین خدا تعالیٰ کو خالق اور مالک ماننے کے باوجود صرف خدا تعالیٰ کو الٰہ تسلیم کرنے سے انکار اور غرور کرتے تھے اور ان کو اس کے ماننے میں دقت پیش آتی تھی۔

۲۔ حضرت ابو محذورہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، اور اسلام سے ہمیں نفرت تھی ہم جب مؤذن کی آواز سنتے، تو اس کی نقل اتارتے اور اس سے استہزاء کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھ لیا، اور ہماری طرف آدمی بھیجے حتیٰ کہ ہم آپ کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا۔ کون تم میں سے بلند آواز سے اذان کہہ رہا تھا۔ لوگوں نے میرا نام لیا۔ چنانچہ آپ نے مجھے سامنے کھڑا کر کے فرمایا۔ کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، میں نے کہہ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہو اشھد ان لَّا اِلٰہ اِلَّا اللہ، اشھد ان لَّا اِلٰہ اِلَّا اللہ، اشھد ان محمدًا رَّسول اللہ۔ اشھد ان محمدًا رَّسول اللہ۔

تو میں نے وہ بھی پڑھا (لیکن پست آواز سے) آپ نے فرمایا ارجع فامدد من صوتک (نسائی ا ص۱۰۳ وابن ماجہ ص۵۲ وزیلعی ا ص۲۶۳ وغیرہ) یعنی دوبارہ بلند آواز سے کہو۔ (چنانچہ میں نے دوبارہ بلند آواز سے کہا، اور پھر مجھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عنایت فرمائی۔ چونکہ مشرکین کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معنیٰ اچھی طرح آتا تھا، اور ان کو اس کا اقرار کرنا (اور اسی ہی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنا) بڑا ہی مشکل تھا، اس لیے حضرت ابو محذورہؓ نے شہادتین کو پست آواز سے ادا کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ بلند آواز سے کہنے کا حکم دیا، تاکہ مشرکین کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے جو وحشت اور نفرت ہوتی ہے وہ کم ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین کو جو اختلاف تھا، وہ اِلٰہ ہی سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (پ۱۴، النحل، ع۷) — تم دو اِلٰہ نہ بناؤ۔ اِلٰہ تو صرف ایک ہی ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ تم دو خالق اور دو خدا نہ بناؤ۔ بلکہ ارشاد یوں ہوتا ہے کہ تم دو اِلٰہ نہ بناؤ، حالانکہ وہ اپنا اور زمین و آسمان کا خالق تو صرف خدا تعالیٰ ہی کو مانتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اِلٰہ کا معنیٰ

اِلٰہ کا وہ معنیٰ جس میں مشرکین کو بڑا اختلاف تھا قرآن کریم اور حدیث شریف کی رُو سے بیان کیا جاتا ہے جس میں زمانہ سابق و حال کے مشرک اور زمانہ قدیم اور حدیث کے جاہل مبتلا تھے اور ہیں، اور تکالیف کے وقت غیر اللہ کو اِلٰہ سمجھتے تھے، اور اب بھی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنیٰ کھول کر نہ بیان کیا جائے تو نہ تو عبادت خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہو سکے گی۔ اور نہ توحید و شرک کا مفہوم ہی سمجھ آسکے گا اور قرآن کریم پر ایمان اور یقین رکھنے کے باوجود عقیدہ نامکمل رہے گا۔ پھر

ایسی مجبور الا زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو کہتا ہے گا مگر سینکڑوں کو الٰہ بناتا ہے گا۔ وہ زبانی یہ دعویٰ تو ضرور کرے گا کہ میں اللہ کے بغیر کسی کو رب نہیں سمجھتا۔ لیکن بایں ہمہ اس نے بتوں کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنا رکھا ہوگا۔ وہ پوری نیک نیتی سے کہے گا کہ میں اللہ کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مگر پھر بھی بہت سے معبودوں کی عبادت میں مشغول رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے:۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ	بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب
وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ	اس کو پکارتا ہے اور کون دور کرتا ہے سختی
الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قَلِیْلًا	اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین میں
مَّا تَذَکَّرُوْنَ ؕ (پ۲۰۔ نمل۔ ع۵)	کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ مجبور اور بیکس کی پکار کو سننا اور اس کی مدد کرنا اور اس کی تکلیف کو دور کرنا الٰہ کا کام ہے گویا فریادرس اور تکلیف کو دور کرنے والا الٰہ ہوتا ہے، اور اس کے بغیر کوئی بھی الٰہ نہیں ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں دعا کی تو یہ فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ (پ۱۷۔ انبیاء۔ ع۶) کوئی الٰہ نہیں سوائے تیرے

مطلب یہ کہ اے اللہ! نہ تیرے بغیر کوئی فریادرس ہے اور نہ تکلیف دور کرنے والا ہے، نہ کوئی حاجت روا ہے اور نہ مشکل کشا ہے۔

حضرات! قرآن کریم کی چند آیات آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں کہ مشرکین غیر اللہ کو فریادرس اور تکلیف دور کرنے والا سمجھ کر پکارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مشرکین کی (دَعَا، یَدْعُوْ کے الفاظ کو سامنے رکھ کر) تردید فرمائی ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو، وہ نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ ضرر کے اور نہ ہی ان کو تمہاری تکلیفوں اور مصیبتوں کی اطلاع ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور مومنین کو یہ حکم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے کسی کو نہ پکارو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۔ (پ ۱۷، حج، ع)

بے شک وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو، اللہ تعالیٰ کے ورے وہ ہرگز مکھی نہیں بنا سکیں گے۔ اگرچہ سارے جمع ہو جائیں۔

(۲) قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۝ (پ ۲۲، سبا، ع)

آپ کہہ دیجئے پکارو تم ان کو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے نیچے خیال کرتے ہو، وہ مالک نہیں ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں کوئی اس (اللہ تعالیٰ) کا مددگار ہے۔

(۳) قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (پ ۲۴، زمر، ع)

آپ کہہ دیجئے، بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے نیچے، اگر چاہے اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ تکلیف، تو وہ ایسے ہیں؟ کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی ہوئی؟ یا اگر وہ چاہے مجھ پر مہربانی، تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اس کی مہربانی کو؟ تو کہہ مجھ کو تو اللہ تعالیٰ ہی بس ہے، اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں، بھروسہ رکھنے والے۔

(۴) قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ۖ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ

تو کہہ بھلا دیکھو جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے نیچے، دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کی شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی (عقلی دلیل اور) علم جو چلا

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○

(پ ۲۶، احقاف، ع)

آتا ہو، اگر ہو تم سچے۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ تعالیٰ کے نیچے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

(۵) وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ إِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ○

(پ ۲۲، فاطر، ع)

اور وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو، اللہ تعالیٰ کے ورے، وہ مالک نہیں، کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے۔ اگر تم ان کو پکارو، وہ تو سنیں نہیں تمہاری پکار، اور اگر سنیں بھی تو پہنچ دیں نہیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شرک سے اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو جیسا بتلائے خبر رکھنے والا (خدا تعالیٰ)

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شرک یہ بتلایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیچے مخلوق کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اللہ تکوینی امور (تکلیف سے نجات دینے اور مہربانی کرنے) میں ایک ذرہ کے مالک نہیں ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ورے دوسری مخلوق کو مشکل کشا جان کر پکارتے ہیں۔ وہ تو ان کی بات کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ ان کو اس کی کچھ خبر ہے۔ قیامت تک پکارو، وہ کچھ نہیں کر سکتے، اور اگر بالفرض وہ تمہاری تکلیف کو سن بھی لیں تو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور تمہارے اس شرک (یعنی پکارنے) کا قیامت کو صاف انکار کریں گے، اور یہ ساری باتیں بتلانے والا وہ ہے جس سے کوئی بات چھپی ڈھکی نہیں اور اسی آخری آیت میں اس قسم کے پکارنے پر شرک کا لفظ بولا گیا ہے بلکہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ۝

(پ ۲۴ المومن ، ع ۲)

یہ (عذاب) تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ تعالیٰ کو اکیلے تو تم منکر ہوتے اور جب اس کے ساتھ پکارا شریک کو، تو تم یقین لانے لگے اب حکم وہی جو کرے اللہ تعالیٰ سب سے اوپر بڑا۔

اس آیت میں بھی اکیلے خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو نافع اور ضار جان کر پکارنا شرک قرار دیا گیا ہے۔

ان تمام آیات میں دعا یدعوا کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں کہ مشرکین سلسلہ اسباب و مسببات سے بالاتر ہو کر غیر اللہ کو مصیبت میں پکارتے تھے اور یہی ان کا شرک تھا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی لکھتے ہیں کہ :-

"کہ در آیت دوم مراد از لَا تَدْعُوْا وَ یَدْعُوْنَ وَ اُدْعُوْا معنی خواندن و ندا نمودن نیست۔ بلکہ معنی عبادت است (بیضاوی، معالم، مدارک وغیرہ) ہمہ تفاسیر متفق اند بریں، پس عبادت غیر حق سبحانہ و تعالیٰ حرام و شرک خواہد بود، نہ نداء و خواندن" (ملخصاً اعلاء کلمۃ اللہ ص ۱۵)

اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"لا تدع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے یا مدد مانگنے کی" (جاء الحق ص ۲۰۲)

مگر ان کا یہ لکھنا انتہائی غفلت اور سینہ زوری پر مبنی ہے اور حضرات مفسرین کرام کے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے ایسا بے سوچی سمجھی ہوئی تحریف ہے۔

اوّلاً تو اس لیے کہ اگر اس مقام پر دعا اور عبادت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں تو خالق کائنات سے بڑھ کر دعا کے موقع اور محل کو کون زیادہ سمجھ سکتا ہے؟ پھر عبادت پر دعاء کا (جو جدا جدا چیزیں ہیں) اطلاق کیسے ہوا؟ اور اگر اس جگہ دونوں ایک

ہی ہیں، اگرچہ بعض دوسرے مقامات میں ان کے درمیان عموم من وجہ ہو تو شاہ صاحب گولڑوی کی منطق باطل ہوئی کیونکہ وہ اس جگہ فرق کرتے ہیں۔

ثانیاً قرآن کریم ایسی کتاب نہیں ہے جو اپنی تشریح خود نہ کرتی ہو۔ قرآن میں اکثر مقامات پر جہاں دَعَا یَدْعُوا کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں وہاں ساتھ ہی اَجَابَ، اِسْتَجَابَ، یُجِیْبُ اور سَمَاع وغیرہ کے صیغے اطلاق فرما کر دعا کو پکارنے کے معنیٰ ہی میں متعین کر دیا گیا ہے۔ مثلاً:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ — اگر تم پکارو۔ وہ تمہاری پکار نہیں سنتے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ — کون ہے جو مضطر اور بے کس کی آہ و پکار کو سنتا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ — اس شخص سے زیادہ بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اس شخص کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ سن سکے۔

لغت کا حوالہ

ان مقامات میں دَعَا یَدْعُوْ کے بعد سماع اور اجابۃ استجاب کے ساتھ تقابل اور ربط کو اسی ہی لیے محفوظ رکھا گیا ہے تاکہ کوئی کور مغز دَعَا یَدْعُوا کے معنیٰ میں تحریف نہ کرے، اور لغت کی کتابوں میں ہے

اجابۃ و اجاب عن سوالہ بمعنی اجاب اللہ دعاءہ واستجاب بمعنی (صراح ص۲۳) یعنی اجابۃ اور اجاب کا معنی یہ ہے کہ اس نے اسکا سوال قبول کیا اور اجاب اللہ دعاءہ واستجاب کا ایک ہی معنیٰ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُسکی پکار کو سُن کر قبول فرمایا۔ لہٰذا قرآن کریم کے صریح اور لفظی قرینہ کے ہوتے ہوئے کوئی اور معنی لینا ناانصافی اور سینہ زوری ہے۔

ثالثاً حضرات مفسرین کرامؒ، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے پیشِ نظر تو یہ بتلاتے ہیں کہ الدعاء ھو العبادۃ پکارنا عبادت ہے حضرات مفسرین کرامؒ تو پکارنے اور عبادت میں اتحاد اور عینیت تسلیم کرتے ہیں نہ کہ تعارض اور تضاد (اس کی پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ) اور گولڑوی شاہ صاحب

پکارنے اور عبادت کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں اور دونوں معنوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

رابعاً شاہ صاحب گولڑوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو حکیم الامت کہتے ہیں اور ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے جابجا استدلال کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی زبانی ہی ان کی تسلی کرا دی جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ باب اقسام الشرک کو ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

حقیقة الشرك ان یعتقد انسان فی بعض المعظمین من الناس ان الآثار العجیبة الصادرة منه انما صدرت لکونه متصفا بصفة من صفات الکمال مما لم یعهد فی جنس الانسان بل یختص بالواجب جل مجده لا یوجد فی غیره الا ان یخلع هو خلعة الالوهیة علی غیره او یفنی غیره فی ذاته و یبقی بذاته او نحو ذالك مما یظنه هذا المعتقد من انواع الخرافات۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶۱)

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان انسانوں کی کسی بڑی ہستی میں عجیب و غریب کرامات دیکھے، اور یہ اعتقاد کرے کہ یہ آثار جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں اور کسی دوسرے میں ہرگز نہیں پائے جا سکتے یہ بزرگ ہستی چونکہ صفات کمال سے موصوف ہے اور اس میں یہ آثار اس لیے پائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو الوہیت کی خلعت سے نوازا ہے یا اس بزرگ نے فنا فی اللہ کا درجہ حاصل کر لیا ہے اور اپنی ذات بالکل مٹا دی ہے اب اس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے گویا خدا تعالیٰ کر رہا ہے۔ اور اسی قسم کے اور بھی خرافات اس معتقد کے ذہن میں آتے ہیں

اس عبارت سے گولڑوی شاہ صاحب کی یہ اصولی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب اعلاء کلمۃ اللہ میں جگہ جگہ اس پر زور دیا ہے

کہ انبیاء اور اولیاء اور بزرگوں کو پکارنا شرک نہیں ہے۔ شرک تو صرف اصنام اوثان اور بت پرستی کا نام ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارات سے دھوکا دیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"شرک کی جڑ اور حقیقت ہی یہی ہے کہ "معظمین من الناس" انسانوں کی بزرگ ترین ہستیوں میں ایسے اوصاف (مثلاً عالم الغیب، حاضر وناظر اور متصرف فی الامور ہونا وغیرہ) تسلیم کرنا، جو صرف اللہ تعالیٰ کے خواص میں منحصر ہیں۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ارشاد بلا وجہ اور بلا دلیل نہیں ہے۔ ہم نے پہلے سیر حاصل بحث، اس پر تاریخی شواہد اور دلائل کے ساتھ بیان کر دی ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا شرک، بزرگوں ہی کی ذات اور ان کی قبروں ہی سے شروع ہوا ہے۔

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ومنها انهم كانوا يستعينون بغير الله فى حوائجهم من شفاء المريض وغناء الفقير وينذرون لهم يتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور ويتلون اسمائهم رجاء بركتها فاوجب الله تعالىٰ عليهم ان يقولوا فى صلاتهم اياك نعبد واياك نستعين وقال الله تعالىٰ فلا تدعوا مع الله احداً وليس المراد من الدعاء العبادة كما قاله بعض المفسرين بل هو الاستعانة لقوله تعالىٰ بل اياه	ان شرک کی قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ بیمار کی شفاء فقیر کی غناء وغیرہ اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے اور ان کے ناموں کی نذریں دیا کرتے تھے تاکہ ان کو اپنے مقاصد میں ان نذروں کی وجہ سے کامیابی حاصل ہو اور تحصیل برکت کے لیے ان کے ناموں کو پڑھتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ واجب کر دیا کہ اپنی نمازوں میں یہ پڑھا کریں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو، اور دعا سے اس جگہ مراد عبادت نہیں

تدعون فیکشف ما تدعون ط (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲) ہے جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے کہا ہے بلکہ اس دعا سے استعانت مراد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بلکہ تم اسی کو پکارو گے سو وہ تمہاری تکالیف دور کرے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہ عبارت اپنے مفہوم اور مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے کہ دعا سے مراد اس مقام پر ایسی عبادت نہیں جو استعانت اور پکارنے کے خلاف ہو جیسا کہ بعض حضرات مفسرینؒ کرام کو وہم ہوا ہے بلکہ اس جگہ دعا سے مراد استعانت و استمداد ہے جو خاصۂ خداوندی ہے اور وہ نری عبادت نہیں خالص عبادت کی جو تشریح حضرت شاہ صاحبؒ نے کی ہے، وہ اس مقام پر سو فیصدی پکارنے کے معنی پر صادق آتی ہے۔ پھر دعا بمعنی خواندن اور ندا نمودن کا انکار کرنا صریح غلط اور باطل ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ دہلوی لکھتے ہیں کہ عبادت کا معنی ہے اپنے آپ کو انتہائی ذلیل اور کمزور سمجھنا، اور یہ تذلل اس کو چاہتا ہے کہ کمزور میں ضعف ہو اور دوسری جانب قوت ہو۔ کمزور میں احساس کمتری ہو اور دوسری طرف شرف و فضل ہو۔ کمزور میں انقیاد و کمتری ہو اور دوسری طرف تسخیر اور نفاذ حکم ہو (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶) اور فوق الاسباب طور پر بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ندا نمودن اور خواندن میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ نزاع لفظ الداعی اور المدعو میں نہیں ہے اور نہ ماتحت الاسباب پکارنے میں ہے جیسا کہ بعض نرے جاہلوں کو شبہ ہوا ہے بلکہ نزاع یدعو من دون اللہ اور فلا تدعوا مع اللہ وغیرہ کے خاص مقامات اور مافوق الاسباب دعا یدعوا میں ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اور جو شخص کسی اور کو الٰہ سمجھ کر پکارے گا تو اس کا رتی رتی کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط (پ ۱۸، مومنون، ع ۶)	اور جو کوئی پکارے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے الٰہ کو بلا دلیل، تو اس کا حساب ہو گا اس کے رب کے نزدیک۔

اللہ تعالیٰ عام انسانوں کو سمجھانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ج فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ج وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط (پ ۱۱، یونس، ع ۱۱)	اور مت پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا، پھر اگر تو ایسا کرے تو تو بھی اس وقت ہو گا ظالموں میں، اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ ضرر تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا، اور اگر پہنچائے تجھ کو بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔

ان آیات سے یہ بات بخوبی اور بلا شک و شبہ ثابت ہو چکی ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریق پر حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر مصیبت کے وقت پکارنا شرک ہے اور یہی مشرکین عرب کا شرک تھا۔

یہ یاد رہے کہ پیاس کے وقت پینے کو کسی کو پانی کے لیے پکارنا، بیماری میں علاج کے لیے حکیم اور ڈاکٹر کو بلانا، یا کسی اور ایسی ہی تکلیف اور مصیبت میں اپنے کسی دوست، عزیز اور رشتہ دار یا عام انسان کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنا یہ نہ تو شرک ہے اور نہ اس سے ڈاکٹر یا حکیم وغیرہ کو الٰہ بنانا لازم آتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ سلسلۂ اسباب کے تحت ہے نہ کہ سلسلۂ اسباب کے مافوق۔ بخلاف اس کے جو شخص بھوک، پیاس، بیماری یا دکھ درد میں کسی پیغمبر، ولی، شہید اور بزرگ کو پکارتا ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں میل دور اپنی قبور میں آرام فرما رہے ہیں۔ تو اس پکارنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتا ہے اور اس کو اس معنی میں

متصرف فی الامور مانتا ہے کہ مشکل کشائی، حاجت روائی، پناہ دہندگی، امداد واغاثت وخبر گیری وحفاظت میں فوق الطبیعی طور پر اسباب کو حرکت میں لا سکتے ہیں اور یہی اصل شرک ہے۔

مافوق الاسباب طریق پر امید و نفع اور دفع مضرت کے وقت غیر اللہ کو پکارنا اس لیے شرک ہے کہ شرک کے اصولی طور پر تین ستون ہیں۔

(۱) یہ کہ پکارنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جس کو میں پکار رہا ہوں۔ وہ میرے حال سے آگاہ اور میری مصیبت کی اس کو خبر اور علم ہے۔ یعنی عالم الغیب یا عالم مَاکان ومایکون ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کے نیچے دوسروں کو قیامت تک بھی اگر پکارا جائے تو ان کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی وَھُمْ عَنْ دُعَآئِہِمْ غٰفِلُوْنَ۔ (اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔)

(۲) یہ کہ پکارنے والا سمجھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ میری حالت کو دیکھتا اور میری آواز کو سنتا ہے یعنی حاضر و ناظر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ ط

(کہ اگر تم ان کو پکارو وہ نہیں سنتے ہیں پکار تمہاری اور اگر سنیں تو نہ پہنچیں تمہارے کام پر) بھلا دور سے عاجز و درماندہ کی اور کون آواز سنتا ہے اور پھر کام پورا کر سکتا ہے۔

(۳) پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ مجھے نفع دینے اور تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ جن کو تم پکارتے ہو، وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں، نہ زمینوں میں نہ آسمانوں میں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے

فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ہ

سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تمہاری تکلیف اور نہ بدل دیں۔

قارئین کرام! علمائے امت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو جب سمجھا، تو نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ان تینوں چیزوں کا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر

کی۔ چنانچہ حضرات فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:۔

من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر ط
جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی ارواح حاضر ہیں اور وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہو جائیگا۔
(فتاویٰ بزازیہ ص ۳۲۶ و بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴)

اس عبارت میں حضرات فقہائے کرام نے پہلی دو چیزوں کو (یعنی غیر اللہ کو عالم الغیب اور حاضر ناظر سمجھنا) بیان کر کے ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے۔

اور تیسری چیز کا حضرات فقہاء حنفیہ کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے یوں قلع قمع کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ولی اور بزرگ کے لیے نذر و منت مانے تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیوں کہ نذر ماننے والے کا خیال ہوتا ہے کہ ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ و اعتقادہ بذالک کفر (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۹۸ مصری و شامی ج ۳ ص ۱۴۵ و مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی ج ۲ ص ۹۲) میت اللہ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے اور اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

لطیفہ:۔ وہ لوگ جو شرک صرف بتوں کے ساتھ ہی عقیدت وابستہ رکھنے کو سمجھتے ہیں۔ وہ حضرات فقہائے کرام کی ان عبارات کا کیا جواب ارشاد فرمائیں گے جن میں مشائخ اور میت کے الفاظ موجود ہیں۔ کیا مشائخ اور میت بھی کوئی بت ہوتے ہیں؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مفتی احمد یار خان صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز ہے الخ (جاء الحق ص ۱۸۳) اور پھر آگے لکھا ہے کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاءِ الٰہی کے بالکل مطابق ہے۔ جناب معراج میں نماز اوّلاً پچاس وقت کی فرض فرمائی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر یہ کیوں؟ اھ (جاء الحق ص ۱۹۴)

مفتی احمد یار خان صاحب نے جتنی آیات اور احادیث پیش کی ہیں ایک بھی اُن کے اس دعوے کی دلیل نہیں ہے۔ (حدیث معراج کا جواب آگے آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ) الغرض کہ مافوق الاسباب طریق پر غائبانہ استعانت و استمداد غیر اللہ سے ناجائز ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے دعوے پر بعض بزرگان دین کے غیر معصوم اقوال پیش کئے ہیں جو عشقیہ طور پر انہوں نے کہے ہیں جو خود قابل تاویل ہیں نہ یہ کہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں وہ صحیح ہیں اور بعض معجزات اور کرامات ہیں جو محل نزاع نہیں (دیکھئے راقم کی کتاب راہ ہدایت)۔ الغرض غیر متعلق دلائل سے استدلال و احتجاج اور غیر معصوم آراء و اقوال سے اثبات عقائد مفتی احمد یار خان صاحب اور اُن کے ہم مشرب رفقاء ہی کو زیب دیتا ہے۔ یہ انہی کی ہمت ہے کہ وہ یہ لکھتے ہیں :

ع " اللہ کو بھی پایا مولیٰ تری گلی میں " (جاء الحق صـ۱۸۶) اور تفسیر روح البیان شریف کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ " شیخ صلاح الدینؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرادوں، اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے۔ اھ (جاء الحق صـ۱۹۸)

سبحان اللہ! یہ ہے مفتی صاحب کی وزنی دلیل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات و التسلیمات تو اظہار معجزات اور مجرم اور نافرمان اقوام کی تباہی و بربادی کا اختیار نہ حاصل کر سکے بلکہ قُلْ مَا عِنْدِی مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهٖ الآیۃ سے امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعلان کرنے کا حکم خداوندی موصول ہوا۔ مگر بقول ان حضرات کے شیخ صلاح الدینؒ تمام کائنات کو فنا کرنے اور آسمانوں کو زمین پر دے مارنے پر بھی قادر ہو گئے ہیں۔ ع

" این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند "

اور مفتی احمد یار خان صاحب جوش بیان میں آتے ہیں تو صـ۲۰۲ میں تفسیر صاوی کے حوالے سے ایک عبارت نقل کر کے اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں :-

"اس آیت (فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ) میں اُن خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے الخ۔"

مگر مفتی صاحب یہ بتانے کی مطلق زحمت گوارا نہیں کرتے کہ صاوی والا تیرھویں صدی کا غیر معتبر اور رطب و یابس اقوال جمع کرنے والا ایک نیم شیعہ مفسر ہے۔ یہ ہے مفتی احمد یار خاں صاحب کی کارستانی، فوا اسفا۔ مگر حیرت ہے کہ اب دُنیا میں ایسے لوگ بھی مفتی بن گئے ہیں ؎

رقیبانِ جہاں کی گتھیوں کو کون سلجھائے　　کشاکش کی فضا ہے کوئی تو ہے نہ زنجیر

مفتی احمد یار خاں صاحب نے حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحبؒ (متوفی ۱۳۳۹ھ) کی وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے حاشیہ سے یہ عبارت نقل کی ہے:-

"ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اُس سے کرے تو یہ جائز ہے اکہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالےٰ ہی سے استعانت ہے۔" بس فیصلہ ہی کر دیا الخ (جاء الحق ص۱۹۱)

اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کے امداد الفتاوےٰ ج ۴ ص۹۹ کی اس عبارت کو کہ:-

"جو استعانت و استمداد باعتقادِ علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقادِ علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت۔"

لکھ کر مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ بس فیصلہ ہی فرما دیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر اُن سے استمداد جائز ہے اگرچہ میت ہی ہو الخ (جاء الحق ص۱۹۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ فریقِ مخالف کا نظریہ معلوم نہیں کہ وہ مستقل اور غیر مستقل کا کیا مفہوم مراد لیتا ہے مگر ہمارے اکابر جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں منقول ہے :۔

"قدرت واختیار چیزے عطا فرمودن وقوتِ اقتدارِ آں تفویض نمودن مفوضے دیگر است وفعل خاص خود در چیزے ظاہر کردن مضمونے دیگر مثلاً تواں گفت کہ زید بقلم نوشت وفعل خاص خود کہ کتابت است در قلم ظاہر کرد و نمی تواں گفت کہ زید قدرت واختیار حرکت و قوت اقتدار کتابت بقلم سپرد زیرا کہ قلم تا وقتیکہ مثل زید انسان نشود قدرت واختیار حرکت وقوت واقتدار از کتابت حاصل نمیتواں کرد وخاصۂ انسان بدست نتواں آورد الیٰ ان قال کہ قدرت واختیار افعال خاصۂ احدیت وقوت واقتدار آثارِ مختصہ صمدیت بکسے یا چیزے سپردن از مرتبہ امکان بمرتبہ وجوب رسیدن است الخ" (ج ۳ صہ ۲۲)

اور پھر ج ۳ صہ ۲۲ پر لکھا ہے کہ :۔

"لفظ علم ذاتی وتصرف استقلال ومثل آں کہ در کلام بعض علماء مثل مولانا شاہ ولی اللہؒ وشاہ عبد العزیزؒ نسبت بکفار واقع شدہ مراد ازاں ہمیں اثباتِ قدرت واختیار از درگاہ پروردگار است کہ موجب شرک کفار نابکار است ورنہ مشرکین عرب ذات وصفات اصنام را مخلوق خدا وقدرت واختیار آنہا عطا فرمودۂ جناب کبریا میدانستند۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مستقل تصرف کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ وہ تصرف ان کا خانہ زاد ہو بلکہ وہ اختیار اور تصرف خدا تعالیٰ ہی کا عطا فرمودہ ہے (اور ایسا تصرف ماننا بھی شرک ہے) جیسا کہ تمام عدالتیں فیصلہ صادر کرنے میں مستقل ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ بسا اوقات اعلیٰ احکام کے خلاف بھی فیصلہ صادر کر دیتی ہیں حتیٰ کہ صوبہ اور مرکز کے خلاف بھی مگر ان کے اختیاراتِ عدالت بالا کے محکام اور ملکی آئین ہی کے تحت اور انہی سے حاصل ہوتے ہیں اور مرکزی اور صوبائی حکومتیں ان کو معزول

بھی کر سکتی اور کرتی رہتی ہیں، تصرفِ مستقل کا یہ ہی تھوڑا ہی ہے کہ ان کو یہ اختیارات خود اپنی طرف سے حاصل ہوں، جب خود ان کا وجود غیر مستقل ہے تو ان کی کسی صفت کا استقلال کیسے؟ چنانچہ خود حضرت مولانا تھانویؒ اپنی آخری تالیف میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"اور مستقل بالتاثیر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس کے سپرد ایسے طور پر کر دیئے ہیں کہ وہ اس کے نافذ کرنے میں حق تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا محتاج نہیں ہے گو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اس کو اس کی تفویض و اختیارات سے معزول کر دے۔ ملخصاً (بوادر النوادر ص ۷۰۳)"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ اکابر جس معنی کو مستقل فرماتے ہیں وہی مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کی اصطلاح میں غیر مستقل کے ہیں اور یہی مشرکین عرب کا شرک تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو اپنے کچھ کام تفویض کر دیئے ہیں جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ کی عبارت سے بیان ہوگا۔ انشاء اللہ۔

باقی حضرت تھانویؒ نے جو یا شفیع العباد خذ بیدی الخ فرمایا ہے، جس سے غیر اللہ سے استعانت کے بارے میں مفتی صاحب کو دھوکا ہوا ہے تو اس کا پورا جواب تو راقم الحروف انشاء اللہ تعالیٰ علماء دیوبند کی عبارات کے جوابات میں عبارات اکابر حصہ دوم میں عرض کرے گا، سردست یہی کافی ہے کہ مفتی صاحب کو اس کے جواب کے لیے خود مولانا کی "نشر الطیب" ص ۲۵۳ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صاف ہو جائے گی۔

حضرت مولانا تھانویؒ حدیث توسل میں لفظ یا محمد کی تشریح میں فرماتے ہیں اور ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جاوے دو وجہ سے ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں جانے کو فرمایا ہے سو وہاں حضور قریب ہی تشریف رکھتے ہیں ندا غائب لازم نہیں آئی دوسرے سلف صالح خوش اعتقاد تھے ندا بقصد تبلیغ ملائکہ ان کے حال

سے ظاہر تھا بخلاف اس وقت کے عوام کے کہ عقیدہ میں (مفتی احمد یار خاں کی طرح حضور) غلو رکھتے ہیں اسی لیے ان کو منع کیا جاتا ہے بلکہ ان کی حفاظت کے لیے خواص کو بھی روکا جاتا ہے تیسرے وہ حضرات یہ ندا حاجت روا سمجھ کر نہ کرتے تھے اب اس میں بھی غلو ہے پس ان کا فعل ان ناقصین کے فعل کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا ع

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

اور یہی مراد ہے احقر کے اپنے اس قول سے آغاز فصل ہذا میں جب کہ حدود شرعیہ کو محفوظ رکھے انتہٰی بلفظہٖ (نشر الطیب ص۲۵۳ طبع جید برقی پریس دہلی) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ نہ تو یا رسول اللہ ندائیہ کے الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور نہ حاجت روا بلکہ محض عشق و محبت اور شوق کے طور پر ایسا فرماتے ہیں اس قصد سے کہ فرشتے ہماری یہ بات حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کر دیں گے۔ بریلوی حضرات کے مشہور اور محقق عالم مولوی عبد السمیع صاحب ایسے ہی ندائیہ اشعار کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطور خطاب حاضر کے ہیں وہ اس لیے ہیں چونکہ تصور آپ کا دل میں بندھا ہوا ہے غلبۂ اشتیاق میں خطاب حاضرانہ بباعث حضور فی الذہن کے کرتے ہیں الخ (انوار ساطعہ ص۲۲۸) پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔ پھر اسی طرح اس مقام میں سمجھ لو جو کوئی کہتا ہے۔ ؎

تمہارے نام پر قربان یا رسول اللہ فدا ہے تم پہ میری جان یا رسول اللہ

اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے مراد اس کی جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے کیا ضرور کہ یوں کہو یہ شخص کو خدا کی طرح حاضر و ناظر جان کر پکارتا ہے ہاں البتہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے (ص۲۲۹)

اور پھر آگے لکھتے ہیں۔ اور جو کوئی فقط یہ لفظ کہے یارسول اللہ اس کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ شرح ملا اور غایۃ التحقیق وغیرہ میں ہے کہ لفظ یا بمعنی اَدْعُوْ ہے اور ادعو کے معنی زبان ہندی میں کہ میں پکارتا ہوں پس جس نے کہا یارسول اللہ اس کے معنی قاعدۂ عربی سے یہ ہوئے کہ پکارتا ہوں رسول اللہ کو یعنی ان کو یاد کرتا ہوں ان کا نام لیتا ہوں کہو اس میں کیا شرک کیا کفر ہو گیا؟ اور یہ بھی ضابطۂ کلام عرب میں لفظ یا کی نسبت مشہر چکا ہے ینادی بہا القریب والبعید یعنی پکارا جاتا ہے لفظ یا کے ساتھ نزدیک و دور ہر طرح اھ (صفحہ ۲۳) اور مافوق الاسباب کا معنی راقم کی کتاب راہ ہدایت صفحہ ۱۲۴ اور صفحہ ۱۲۵ میں ملاحظہ کریں۔

مولوی محمد عمر صاحب نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف ایک مصنوعی اور جعلی قصیدہ منسوب کرکے اس سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استمداد و استغاثت کے جواز پر استدلال کیا ہے اور پھر اس مدحیہ کو مفت میں سر کرنے کے بعد یوں لکھا ہے کہ اب تم اپنی حنفیت کو امام ابوحنیفہؒ کے عقیدہ کی کسوٹی پر پرکھو کہ واقعی تم حنفی ہو یا نہیں اور استمداد من عباد اللہ کا انکار کرکے حنفی کہلانے کے حقدار ہو یا وہابی؟" انتہیٰ بلفظہٖ مقیاس حنفیت صفحہ ۲۸۱ ونحوہٗ فی جاء الحق صفحہ ۱۹)

مگر مولوی محمد عمر صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ امام صاحب کی شخصیت کوئی گمنام شخصیت نہیں ہے کہ ان کی طرف ہر اناپ شناپ کو منسوب کرکے منوا لیا جائے اور اس سے عقیدۂ باطلہ ثابت کر لیا جائے۔ نہ تو یہ جعلی قصیدہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور نہ وہ غیر اللہ سے مافوق الاسباب استمداد کے قائل ہیں خود ان کی اپنی تالیف "فقہ الاکبر" دیکھیں کہ وہ کیا عقیدہ بیان فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو بھی دلائل مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے پیش کئے ہیں ان میں ایک دلیل بھی انکے باطل مدعا کو ثابت نہیں کرتی کیا خوب ہے

کھلتی دیکھی نہیں کلی دل کی

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ بعض حضرات کو خواہ مخواہ یہ شبہ اور وہم ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ

کی اپنی کوئی تصنیف نہیں اور خصوصاً الفقہ الاکبر ان کی تصنیف نہیں بلکہ یہ ابوحنیفہ البخاریؒ کی تالیف ہے لیکن یہ ان حضرات کا بالکل بے جا بے حقیقت اور نرا وہم ہے ہم نے مقام ابی حنیفہؒ اور مقدمۃ البیان الازہر میں اس پر بقدر ضرورت بحث کر دی ہے مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابو الفرج محمدؒ بن اسحاقؒ بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) اپنی معلومات افزا کتاب الفہرست لابن الندیم (جو انہوں نے ۳۷۷ھ میں تصنیف کی ہے) میں لکھتے ہیں کہ الفقہ الاکبر اور کتاب العالم والمتعلم اور الرد علی القدریہ وغیرہ امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف ہیں (ملاحظہ ہو ص ۲۹۹ طبع مصر) اور علامہ احمدؒ بن مصطفیٰؒ المعروف بطاش کبری زادہؒ (المتوفی ۹۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف ہیں معتزلہ نے یہ اختراع کیا ہے کہ یہ ان کی نہیں بلکہ ابوحنیفہ البخاریؒ کی ہیں معتزلہ کا یہ زعم ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ان کے مسلک پر تھے اور الفقہ الاکبر وغیرہ میں تو ان کا رد ہے تو پھر بھلا بقول ان کے کہ یہ ان کی تصنیف کیسے ہو سکتی ہے؟ اور فرماتے ہیں کہ امام شمس الدین کردریؒ امام فخر الاسلام بزدویؒ امام عبد العزیز البخاریؒ اور مشائخ کی ایک شمسی جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ الفقہ الاکبر وغیرہ امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف ہے (مصباح مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ ج ۲ ص ۲۹)

بابْ یازدہم

آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مشرکین عرب غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے، اور ان سے نفع اور ضرر کی امیدیں وابستہ رکھتے تھے تو ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ وہ خدا تعالیٰ سے بالکل نظر ہٹا لیا کرتے تھے یا ان کو ہی مستقل بالذات سمجھ کر پکارا کرتے تھے یا ہمیشہ غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے اور کبھی بھولے سے بھی خدا کو یاد نہ کرتے تھے لہٰذا وہ مشرک تھے لیکن کلمہ پڑھنے والوں کے دل میں تو خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہوتی ہے وہ کسی کو مستقل بالذات با اختیار نہیں سمجھتے، اور اللہ تعالیٰ کو بھی وہ پکارتے ہیں تو اس کا جواب قرآن کریم اور حدیث وغیرہ سے سن لیجئے :-

(۱) وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (پ ۱۱، یونس، ع ۲)

اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔ تو کہہ کیا بتلاتے ہو اللہ تعالیٰ کو وہ چیز جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جس کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

(۲) وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے حمایتی

اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی (پ۲۳، زمر ع۱)	کہتے ہیں کہ ہم تو ان کو پکارتے ہیں اس واسطے کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچا دیویں گے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یا ان کو پکارتے تھے، تو ان کو نہ مستقل سمجھتے تھے، اور نہ خدا، بلکہ ان کو خدا تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ اور واسطہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام اور ہماری حاجتیں خدا تعالیٰ کے پاس پیش کرتے ہیں اور ہماری سفارشیں کرتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مافوق الاسباب سفارش (یعنی غائبانہ) کو بھی شرک کہا ہے۔ پہلی آیت کے آخر میں عَمَّا یُشْرِکُوْنَ میں اس کو صاف شرک سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ: کہیں آپ کو یہ غلط فہمی نہ واقع ہو جائے کہ ان دونوں آیتوں میں تو عبادت کا لفظ موجود ہے۔ پکارنے کا تو نہیں لیکن یہ وہم بے جا ہو گا، کیونکہ دعا اور پکارنا خود عبادت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ (پ۲۴، المومن ع۶)	اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری پکار سے وہ عنقریب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا اور پکارنے کو عبادت سے تعبیر کیا ہے اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الدعاء هو العبادة ثم قرأ قال ربكم ادعونی استجب لكم ۔ الاٰية (ترمذی ۲ ص۱۶۳، ابوداؤد ۱ ص۲۰۹ و ابن ماجہ ص۲۸۰ و طیالسی ص۱۰۸ و ادب المفرد)	پکارنا عبادت ہے پھر آپ نے قرآن کریم کی یہی مذکورہ آیت اس پر بطور استشہاد پڑھی کہ پکارنا عبادت ہے۔

ص۱۰۱ و مستدرک ص۴۹۱ وقال الحاکمؒ و الذہبیؒ صحیح وقال الترمذی حسن صحیح

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے امام ترمذیؒ اس کو حسن اور صحیح کہتے ہیں

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ایسا پکارنا عبادت ہے بلکہ ایک حدیث میں آتا ہے:۔

لیس شیئ اکرم علی اللہ من الدعاء (ادب المفرد ص۱۰۱ و مستدرک ۱ ص۴۹۰ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پکارنے سے بڑھ کر پیاری اور عزیز چیز اور کوئی نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں آتا ہے:۔

اشرف العبادۃ الدعاء (ادب المفرد ص۱۰۱)

تمام عبادتوں سے اشرف اور اعلیٰ عبادت دُعا اور پکارنا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:۔

الدعاء سلاح المؤمن وعماد الدین (مستدرک ۱ ص۴۹۲ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

پکارنا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور اس کی جڑ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

افضل العبادۃ ھو الدعاء (مستدرک ۱ ص۴۹۱ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

بہترین عبادت پکارنا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے:۔

من لا یدعو اللہ یغضب علیہ (مستدرک ۱ ص۴۹۱)

جو شخص خدا تعالیٰ کو نہیں پکارتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

آپ دیکھ اور پڑھ چکے ہیں کہ دُعا (پکارنا) عبادت بھی ہے اور مخ العبادت بھی اشرف العبادت بھی ہے اور افضل العبادت بھی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا اور پکارنے سے بڑھ کر کوئی اور مقبول اور عزیز عبادت نہیں ہے۔

مگر کہنے والے کہتے ہیں کہ خوائمن اور ندا نوون شرک نہیں ہے۔ تعجب اور حیرت ہے ان کی دیانت پر!

حضرات! اگر عماد الدین، اشرف العبادۃ اور مخ العبادۃ ہوتے ہوئے بھی غیر اللہ کو ما فوق الاسباب طریق پر جیسا کہ اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے، پکارنا عبادت اور شرک نہیں ہے تو دنیا میں شرک کیا چیز ہے؟

علامہ محمد طاہر حنفی رح مجمع البحار ج ص میں لکھتے ہیں:

فَاِنَّ العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللّٰہ وحدہٗ۔ — یعنی عبادت، حاجتیں مانگنا اور استعانت یہ سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کی عبارات آخر میں بیان ہوں گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ما فوق الاسباب طریق پر کسی کو پکارنا اس کی عبادت کرنا ہے اور ایک معنیٰ عبادت کا یہ ہے کہ کسی کی منت اور نذر مانی جائے۔ چنانچہ حضرات فقہائے حنفیہؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی بزرگ اور ولی کے نام پر نذر مانے اس کی نذر باطل ہے۔ اس کے بطلان کی کئی دلیلیں ہیں، ایک یہ ہے:

النذر عبادۃ والعبادۃ لا یجوز للمخلوق۔ (بحر الرائق ۵ ص ۲۹۸ وشامی ج ۲ ص) — کہ نذر اور منت عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے جائز نہیں۔

مشرکین مکہ و عرب کا بڑا شرک یہی تھا کہ وہ غیر اللہ کو ما فوق الاسباب طریق پر پکارتے تھے اور ان کے نام پر نذر و نیاز دیتے تھے۔ اور یہی دو چیزیں عبادت کا مغز اور اس کا گر ہیں، اور یہی دونوں عبادتیں آج بھی غیر اللہ کے نام پر ہو رہی ہیں۔ فواسفا!

(۳) مشرکین عرب مسجد حرام کا طواف کرتے وقت یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے:

لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا — ہم حاضر ہیں تیرا ذاتی اور مستقل طور پر کوئی شریک

هولك تملكه وما ملك (اوكما قال مسلم ا ص۳۷۶ ومشکوٰۃ ج ۱ ص۲۲۴) — نہیں مگر وہ شریک (جس کو تُو نے اختیارات دے رکھے ہیں) اور وہ تیرا (ہی مقرر کردہ) ہے تو اس کا مالک ہے اور وہ مالک نہیں

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین لا شریک لک کہہ کر ذاتی اور مستقل طور پر خدا تعالےٰ کے شریک کی نفی کیا کرتے تھے اور الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک سے جو خدا تعالیٰ کا شریک بناتے تھے، تو ساتھ ہی اس کی تصریح کرتے تھے کہ وہ تیرا ہی ہے اور خود وہ کسی چیز کا ذاتی اور مستقل طور پر مالک نہیں بلکہ تُو ہی اس کا مالک ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین جس کو خدا تعالےٰ کا شریک بناتے تھے تو اس کو خدا تعالیٰ کا مملوک، تابع فرمان اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں بے بس سمجھتے تھے اور یہ تلبیہ سب سے پہلے عمرو بن لحی نے پڑھا تھا (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص۱۸۸) جو عرب میں شرک کا موجد اور اس کا بانی مبانی تھا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۶ ص۳۸۵ وغیرہ)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ:

ان اللہ ھو السید وھو المدبر لکنہ قد یخلع علی بعض عبیدہ لباس الشرف والتالہ ویجعلہ متصرفا فی بعض الامور الخاصۃ ویقبل شفاعتہ فی عبادہ بمنزلۃ ملک الملوک یبعث علی کل قطر یقلدہ تدبیر تلک المملکۃ فیما عدا امور العظام (حجۃ اللہ البالغۃ ص۶۱)

آقا تو خدا تعالیٰ ہی ہے اور وہی مدبر بھی ہے لیکن وہ کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں میں تصرف کرنے کا حق دے دیتا ہے اور ان کی اپنے بندوں کے حق میں شفاعت قبول کر لیتا ہے جیسے شہنشاہ بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرر کرتا ہے اور ان خاص صوبوں کے کچھ اختیارات ان کے سپرد کر دیتا ہے۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی لکھتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا زندقہ پن اور الحاد یہ بھی تھا۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہاں فرشتوں اور ارواح پاکان کے کچھ ایسے نفوس ہیں جو زمین والوں کی بڑے کاموں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کاموں میں تدبیر کرتے ہیں مثلاً عابد کے نفس کی اصلاح اس کی اولاد اور مال کی حفاظت اور نگرانی وغیرہ اور اس کو وہ اس مثال سے بیان کرتے تھے کہ جیسے بادشاہ اپنی حدود مملکت کے کچھ اختیارات چھوٹے چھوٹے نوابوں اور گورنروں کے سپرد کر دیا کرتا ہے۔ اور وہ اس کے عطا کردہ اختیارات سے تصرف کرتے ہیں۔ اور جیسے ہر آدمی کی رسائی بادشاہ تک براہ راست نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ بادشاہ کے خاص دوستوں اور ہم نشینوں کی سفارش سے بادشاہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ بعینہ یہی طریقہ ہے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض امور عالم اسباب میں فرشتوں کے سپرد کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی دعائیں قبول کر لیتا ہے۔ تو اس سے ان لوگوں نے یہ غلط نظریہ قائم کر لیا کہ شاید فرشتوں اور نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی اختیارات سونپ دیئے ہیں جیسے کہ کوئی بادشاہ اپنے گورنروں اور ماتحت حکام کو سونپ دیا کرتا ہے اور یہی ان کے فساد عقیدہ کی بنیاد اور جڑ تھی کہ انہوں نے بن دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی چیز پر قیاس کر لیا۔ اور کھلی غلطی کا شکار ہوئے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۵)

اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں :۔

مشرکوں کا مسلمانوں کے ساتھ اس بات پر کلی اتفاق تھا کہ بڑے بڑے اور اٹل ومحکم کاموں میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ نیک بندے جو ان سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تقرب الی اللہ کی وجہ سے بارگاہ الٰہی میں مقبول اور مقرب ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو جزوی طور پر

الوہیت (حاجت روائی، فریادرسی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد و اعانت، خبرگیری و حفاظت اور استجابت دعوات وغیرہ) کا منصب عطا فرمایا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف سے عبادت (سجدہ، مصیبت میں پکارنا، نذر و نیاز وغیرہ) کے مستحق ہیں جیسا کہ کسی بادشاہ کا کوئی خادم اس کی خدمت کرتا ہے اور بادشاہ اس کی خدمت کا صلہ یوں دیتا ہے کہ کسی اقلیم اور خطۂ ارضی کا حاکم اسے مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ بن وجہ مخدوم ہو جائے اور لوگ اسکی کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں، اور وہ لوگ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند و بالا ہے اور ہمارے جیسے ضعیف اور کمزور لوگوں کی عبادت براہ راست اللہ تعالیٰ تک کب پہنچ سکتی ہے؟ اس لیے ہمیں پہلے ان درمیانی واسطوں کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے اور ان کا تقرب حاصل کرنا چاہیئے تاکہ یہ ہم سے راضی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا رابطہ اور تعلق جوڑ دیں تاکہ ہم بھی خدا تعالیٰ تک پہنچ سکیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ درمیانی واسطے ہماری دعائیں اور پکاریں سنتے اور ہمارے حالات دیکھتے ہیں اور ہمارے لیے سفارشیں کرتے ہیں اور ہمارے کاموں میں ہماری مدد اور نصرت کرتے ہیں پھر ان لوگوں نے ان کے ناموں پر پتھروں کے مجسمے تراش لیے تاکہ یہ ان کی توجہ کا مرکز اور قبلہ بن جائیں (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹)۔

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نام بھی عبدالمسیح اور عبدالعزّیٰ وغیرہ رکھ لیے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۶۱)

حضرات! آج بعض کلمہ گو مدعیان اسلام کا بھی یہی شرک ہے۔ ایک رتی فرق نہیں ہے۔ کیا مافوق الاسباب سفارشوں کا نظریہ ان میں آج موجود نہیں ہے؟ یا عبدالرسول، عبدالنبی اور پیر اندتہ وغیرہ نام آج سننے میں نہیں آتے؟

شراب شرک تو وہی پرانی ہے البتہ بوتلوں کی رنگت بدل دی گئی ہے اور لیبل بھی اسلامی لگایا گیا ہے۔ (فتوا صفا)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ جہان کا مدبر تو خدا تعالیٰ ہی کا ہے۔ لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو جہان کے مخصوص حلقوں میں تصرف کرنے کا اختیار دے دیتا ہے۔ (ویجعله موش امتصرفا فی قسط من العالم (بدور بازغہ صـ ۱۲۳)۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہی عقیدہ تھا اور:۔

والغلاة من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا (بدور صـ ۱۲۳)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کا نام لینے والے انتہائی درجہ کے منافقوں کا بھی آج یہی عقیدہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ مشرکین خدا تعالیٰ کو مدبر اور تمام جہان کا بادشاہ مان کر بعض جزوی اور محدود قسم کے اختیارات (جن کا تعلق تکوینی امور سے تھا) عطائی اور غیر مستقل طور پر غیر اللہ کے لیے ثابت کرتے تھے، اور ان کے اس عقیدہ کو مشرکین کی منطق کے اعتبار سے شاہ صاحبؒ نے شہنشاہ اور ماتحت کے حکام کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے کہ صوبوں کے گورنروں اور اضلاع کے کلکٹروں کو جو ضروری اختیارات اور تصرفات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ صرف بادشاہ سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ یہ تو مشرکین کا عقیدہ تھا۔ لیکن بزعم خود فدا اسلام کے شیدائیوں کے قائد کا ایک ہی شعر ملاحظہ کر لیجیے:

احمد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث
(حدائق بخشش حصہ دوم صـ ۶)

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ دہلوی لکھتے ہیں:۔

"و در تصرف در کائنات جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع امراض و تسخیر ارواح و مانند آن بکار می آرند۔ این خود شرک صریح است و درین مقام غور کے نیست۔" (فتاویٰ شاہ رفیع الدین صاحب صـ ۵)

حضرات! ہم نے قرآن کریم کی آیات اور صحیح احادیث اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ وغیرہ کی عبارات سے یہ واضح کر دیا ہے کہ غیر اللہ کے لیے عطائی اور غیر مستقل طور پر بھی (اگرچہ تمام جہان کے لیے نہ ہو بلکہ مخصوص خطہ میں اور بعض امور میں ہی ہو) تکوینی امور میں خدا تعالےٰ کے بندوں کا تصرف ماننا اور ان کو خدا تعالیٰ کے کارندے تصور کرنا شرک صریح ہے اور اس میں کوئی بھی حصہ دار نہیں ہو سکتا۔

رہا اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وغیرہ احادیث سے فریق مخالف کا استدلال، تو ہم نے اپنے رسالہ "دل کا سرور" میں نہایت وضاحت سے حدیث کا معنیٰ اور مطلب اور کافی وشافی جواب عرض کر دیا ہے۔ اس کی مفصل بحث اور تحقیق اُسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگرچہ مشرکین عرب بعض جزوی امور اور معاملات (اور تکوینی امور) میں خدا تعالیٰ کے بندوں کو عطائی اور غیر مستقل طور پر متصرف اور سفارشی مانتے تھے۔ لیکن بڑے بڑے کاموں اور انتہائی مصیبتوں میں صرف اور صرف اللہ تعالےٰ ہی کو پکارتے تھے۔ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے سب ان کے اذہان اور قلوب سے ایسے وقت بالکل نکل جاتے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ○

(پ، انعام، رکوع ۴)

تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ تعالےٰ کا یا آوے تم پر قیامت، کیا اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو پکارو گے۔ بتاؤ اگر تم سچے ہو، بلکہ اسی کو پکارو گے پھر وہ دور کر دے گا اس مصیبت کو جس کے لیے تم اس کو پکارو گے۔ اگر اس کی مرضی ہوئی اور تم بھول جاؤ گے جن کو تم شریک کرتے ہو۔

(۲) فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝

(پ۲۱، عنکبوت، ع۷)

پھر جب سوار ہوتے کشتی میں پکارنے لگے اللہ تعالیٰ کو خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف، اسی وقت لگے شرک کرنے۔

حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل فتح مکہ کے موقع پر اس خوف کے مارے کہ کہیں میں اپنی اسلام دشمنی کی پاداش میں قتل نہ کر دیا جاؤں، بھاگ کر سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ جب کشتی بھنور میں موجوں کے تھپیڑوں سے دوچار ہوئی تو ملاحوں نے کہا "اخلصوا فَإِنَّ اٰلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِيْ عَنْكُمْ شَيْئًا هٰهُنَا" (خالص اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرتے ہوئے اسی کو پکارو کیونکہ تمہارے دوسرے الٰہ اس موقع پر کسی کام نہیں آسکتے۔)

حضرت عکرمہؓ نے کہا: اگر سمندر میں وہ کام نہیں آسکتے تو خشکی پر اللہ تعالیٰ کے سوا کون کام آسکتا ہے؟ پھر عہد کیا کہ اے اللہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مشکل سے نجات دی تو میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت کر لوں گا، کیونکہ یہی سبق تو ہمیں وہ بتلاتے ہیں، جس سے ہم بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی اور انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمان ہو گئے۔ (نسائی ۲ ص۱۵۲ والبدایہ والنہایہ ۴ ص۲۹۸ والصارم المسلول ص۱۰۹)

حضرات! یہ مشرکین کا وہی گروہ تھا جو خشکی پر یا ابراہیم اغثنی اور یا اسمٰعیل اور یا عزیٰ وغیرہ کہا کرتے تھے۔ مگر موجوں کے تھپیڑوں میں وہ سب کچھ فراموش کر کے صرف ذات باری تعالیٰ پر اعتماد کیا کرتے تھے اور صرف اسی کو پکارا کرتے تھے اور ہر باحیا مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے۔ ؎

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبرؔ
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

حضرت حصین رضؓ فرماتے ہیں کہ میں اسلام لانے سے قبل ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے سوال کیا۔ حصین رضؓ! میں نے کہا جی۔ فرمایا کتنے الٰہوں کی تم روزانہ عبادت کرتے ہو؟

میں نے کہا۔ حضرت سات کی۔ ایک آسمان پر ہے اور باقی چھ زمین پر۔

آپ نے فرمایا:۔

فَاَیُّھُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَھْبَتِكَ قَالَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ

ان میں خوف اور رجاء، اُمید و بیم کے لیے تم کس الٰہ کو کام کا سمجھتے ہو؟ حضرت حصین رضؓ نے کہا "وہ تو وہی ہے جو آسمانوں میں ہے۔"

(ترمذی ۲ ص ۱۸۶ مشکوٰۃ ۱ ص ۲۱۶)

آپ نے فرمایا۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو کلمے سکھا دوں۔

چنانچہ مسلمان ہونے کے بعد وہ دو کلمے انہوں نے سیکھ لیے۔ (رواہ احمد والنسائی باسناد صحیح هامش اغاثه ص ۲۷)

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین اگرچہ بعض حالات میں غیروں کو سفارشی مان کر پکارا کرتے تھے۔ لیکن جب انتہائی مصیبت کا شکار ہوتے اور دریا کی موجوں میں مبتلا ہوتے تھے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اور تمام مافوق الاسباب سفارشی بھول جاتے تھے لیکن جب خشکی پر قدم دھرتے تو وہی شرک شروع کر دیتے تھے۔ یعنی غیر اللہ کو متصرف مان کر پکارنا۔ یہ تو قرآنی مشرک تھے۔ لیکن آج کلمہ گو کیا کہا کرتے ہیں، سنا ہی ہو گا:

"یا بہاؤ الحق بیڑا دھک!"

"یارھویں والیا نیکیاں تے مدد!"

اور پشتو میں کہتے ہیں:۔

ٹوپا خواناں دا اوڑ سبگا یا پیراں بابا راؤ رسیگا

اور یہ بھی آخر سنا ہی ہوگا۔

بگرداب بلا افتاد کشتی   مدد کن! یا معین الدین چشتی

امداد کن امداد کن، از بند غم آزاد کن،

در دین و دُنیا شاد کن، یا شیخ عبدالقادر!

اور ایک غالی مشرک نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ؎

خدا سے میں نہ مانگوں گا کبھی فردوسِ اعلیٰ کو

مجھے کافی ہے یہ تربت معین الدین چشتی کی

گویا آجکل کے کلمہ گو مشرکین مکہ و عرب کو بھی چند قدم پیچھے چھوڑ کر ان پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ وہاں تو مشرکوں کو بھی یقین تھا کہ شفا صرف خدا تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا تو ضماد نامی ایک کافر نے کہا کہ میں جا کر اس مجنوں پر (مراد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، والعیاذ باللہ تعالیٰ) جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔ لعل اللّٰہ یشفیہ علی یدی (مسلم ۱ ص۲۸۵ و مشکوٰۃ ۲ ص۵۲۵) شاید کہ خدا تعالیٰ اس کو میرے ہاتھ پر شفا دے دے۔

ضماد تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شکار کرنے گیا تھا، مگر خود شکار ہو گیا اور مسلمان ہو کر لوٹا۔ مگر افسوس کہ آج کلمہ پڑھنے والے بھی غیر اللہ سے شفا وغیرہ کی اُمیدیں رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ علاج وغیرہ کرانا اور حکیم اور ڈاکٹر کی طرف بیماری میں رجوع شرک نہیں، جائز اور صحیح ہے بلکہ توکل کے خلاف بھی نہیں، اس لیے آپ، غلط بحث سے بچیں۔

۶ رسالہ "دل کا سرور" میں اس کی پوری تشریح کر دی گئی ہے، وہاں اس مسئلہ کی سیر حاصل بحث ملاحظہ کریں:-

باب دوازدہم

قرآن کریم میں جگہ جگہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا جملہ آتا ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مشرکینِ عرب اللہ تعالیٰ کو بالکل چھوڑ کر مُسْتَقِلًّا مَنَّانًا (مجبور المطلق) سمجھ کر غیروں کو پکارتے تھے یا ان کے نام پر نذر دیتے یا استعانت وغیرہ کرتے تھے، اس لیے وہ مشرک تھے۔ لیکن یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ قرآن کریم و حدیث سے صاف طور پر اس کا بیان گزر چکا ہے کہ مشرکین بندگانِ خدا کو محض سفارشی سمجھتے تھے اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ان کو بناتے تھے، کیونکہ تصریح کے ساتھ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ مشرکین انتہائی مصیبت میں خدا تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔

اختصاراً دُوْنَ کا معنی قرآن کریم، حدیث، اشعارِ عرب اور لغت سے عرض کیا جاتا ہے کہ دُوْنَ کا معنی نیچے، پیچھے اور سامنے کے بھی آتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے بھاگ کر مدین پہنچے تو وہاں ایک کنویں پر تشریف لے گئے اور وہاں :-

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدَانِ ط (پ۲۰۔ قصص ع۳)	پایا ان سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے کھڑی تھیں اپنی بکریاں۔

یہاں دُوْنَ کا معنی غیر کے نہیں ورنہ معنی یہ ہوگا کہ وہاں لوگ نہ تھے۔ یہ دو بیبیاں

ہی تعین۔ اور یہ قرآن کریم کے مطلب کے خلاف ہے بلکہ دُون کا معنیٰ ورے کے ہے اسی طرح :۔

(۲) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا (پ۱۶، مریم، ع۲) سو حضرت مریم نے گھر والوں کے ورے (غسل کے لیے) پردہ بنایا۔

نیز ایک مقام پر ہے کہ :۔

(۳) لَمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا۔ (پ۱۶، کہف، ع۱۱) ہم نے ان لوگوں کے لیے سورج کے ورے کوئی پردہ اور آڑ نہ بنائی تھی۔

وعلیٰ ہذا القیاس اس جگہ میں کہ :۔

(۴) وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ط (پ۱۶، کہف، ع۱۱) ذوالقرنین نے ان دو پہاڑوں کے ورے ایک قوم پائی۔

وغیرہا آیات میں لفظ دُون کا معنیٰ ورے اور سامنے کے ہیں جیسا کہ عیاں ہے۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے اور واپس ہوئے تو آپؐ نے براق کا حلیہ یوں بیان فرمایا:۔ دُون البغل وفوق الحمار یعنی اس کا قد خچر سے نیچے اور گدھے سے اوپر تھا۔ (بخاری ۱ص۵۴۸ و مسلم ۱ص۹۱)

اس حدیث میں دُون کا تقابل فوق سے کیا گیا ہے یعنی نیچے اوپر۔

(۶) ایک شاعر کہتا ہے :۔

عَجِبْتُ لِمَسْرَاهَا وَاَنّٰى تَخَلَّصَتْ
اِلَيَّ وَبَابُ السِّجْنِ دُوْنِيْ مُغْلَقٌ (حماسہ)

یعنی میں نے تعجب کیا کہ محبوبہ رات کو چل کر میرے پاس کس طرح پہنچی حالانکہ میرے ورے اور سامنے جیل خانے کا دروازہ بند تھا۔

ایک اور شاعر کہتا ہے :۔

(۷) ملکتُ بہا کفّی فانہرتُ فتقہا
یری قائمٌ من دونہا ما وراءہا (حماسہ)

یعنی میں نے نیزہ مضبوط طور پر ہاتھ میں پکڑ کر زخم خوب کشادہ کیا۔ اس زخم سے ورے کھڑے ہونے والے کو پار کی چیزیں نظر آسکتی ہیں۔

ان دو شعروں میں دُوْنَ کا معنی ورے اور سامنے کے ہے۔

(۸) اور صراح ص۵۱۲ میں دُوْنَ کا معنی یہ لکھا ہے: فرود، جز و نقیض فوق الغرض دُوْنَ کے اس معنی کو اور مشرکین کے ذاتِ باری تعالیٰ کے خالق، مالک، مدبر اور ہر چیز کا منبع سمجھنے والا کے عقیدہ کو سامنے رکھ کر دُوْنِ اللّٰہ کا یہی معنی ہو گا کہ وہ خدا تعالیٰ کو ماننے ہوئے اس کے نیچے، اس کے سامنے اور اس کے ورے دوسروں کو مافوق الاسباب طور پر پکارا کرتے تھے اور ان کے ناموں کی نذر و منت دیا کرتے تھے تاکہ وہ راضی ہو کر خدا تعالیٰ سے ان کے کام کرا دیں اور یہی ان کا شرک تھا۔ لیکن آج کلمہ پڑھنے والوں میں بھی اس کی کوئی کمی نہیں ہے۔

حضرات! آپ دلائل بالا سے بخوبی سمجھ چکے ہوں گے کہ مشرکین عرب کا شرک کیا تھا؟ اگر آج بھی کوئی شخص غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریق پر پکارے (کہ وہ سامنے نہ ہو بلکہ قریب کی دنیا ہی میں موجود نہ ہو) تو ایسا کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین یا رب العٰلمین۔ اور شرک کی اس واضح اور بین شق میں عوام کالانعام تو مبتلا ہیں ہی مگر ان کے خواص بھی ان کو یہ سبق پڑھاتے ہیں اور اسی باطل نظریہ کے تحت وہ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں چنانچہ خانصاحب بریلوی لکھتے ہیں سے

بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے ۔۔ یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا (حدائق بخشش حصہ دوم ص۴)

اس لیے ہر منصف مزاج اور طالب آخرت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ شرک جیسی قبیح ترین برائی کے مثبت اور منفی پہلو پر گہری نگاہ ڈالے اور صرف سطحی قسم کے ذہن سے ہرگز کام نہ لے اس لیے کہ شرک جرائم کی مد میں وہ سنگین جرم ہے جس کے مٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے شمار حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے بے پناہ صعوبتیں اُٹھائیں یہ بات اس لیے بھی قابل توجہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ

ہم معاذ اللہ تعالیٰ دوسروں کو مشرک سمجھتے رہیں اور کلمہ بھی اسلام کا پڑھتے رہیں اور ساتھ ہی ساتھ شرک کے دلدل میں بھی مبتلا رہیں جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

نہیں ہے دعویٰ جب یہ کیا بندۂ حرص و ہوا ہونا ۔۔۔ قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دھوکہ تو نے

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل ۔۔۔ بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

غرض کہ جتنی تردید قرآن کریم اور حدیث شریف میں شرک کی ہوتی وہ اور کسی گناہ کی نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ نصوص قطعیہ سے مشرک کے لیے خلود فی النار کا اٹل حکم وارد ہوا ہے اور اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے جنت حرام ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو شرک سے اور اس کی تمام اقسام سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین ۔

اُلٹی گنگا قارئین کرام نے بخوبی ملاحظہ کر لیا کہ توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں کیسی صاف واضح اور قطعی آیات موجود ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ فریق مخالف کی منطق ہی نرالی ہے بجائے اس کے کہ وہ ان صریح اور قطعی آیات کی مخالفت کی وجہ سے خود کو امت مسلمہ سے خارج تصور کرے اور اپنی نجات کی فکر کرے اُلٹا محض ایک فرعی مسئلہ کی وجہ سے وہابیہ کو امت سے خارج کرتا دکھائی دیتا ہے ۔ چنانچہ اس فریق کے وکیل مولوی محمد عمر صاحب (المتوفی ۱۳۹۱ھ) غنیۃ الطالبین صـ۳۸ کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے مونچھیں منڈوائیں ہم سے نہیں ہے ۔ الخ اس کو نقل کر کے جوش میں آ کر لکھتے ہیں ۔ اب تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچو کہ تمام فرقہ وہابیہ عموماً مونچھیں منڈواتے ہیں کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں داخل ہیں یا خارج ؟ اھ (مقیاس الخنفیت صـ۶۶۱ طبع چہارم ۱۳۹۶ھ)

الجواب سخت حیرت کی بات ہے کہ نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ و متواترہ اور اجماع امت سے ثابت شدہ عقائد کی خلاف ورزی تو ان کو امت سے خارج نہیں کرتی مگر فرعی مسئلہ فرقہ وہابیہ کو بقول ان کے امت سے خارج کر رہا ہے ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

مگر جس روایت کی بنا پر انہوں نے مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کیا ہے وہ ان کو سود مند نہیں ہے اولاً تو اس لیے کہ غنیۃ الطالبین میں جعلی حدیثوں اور گھڑے ہوئے مسائل کی بھرمار ہے ناقدِ فنِ رجال علامہ ذہبی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰) اور اس حدیث کا کسی صحیح سند سے ثبوت نہیں تو ایسی بے ثبوت روایت کی وجہ سے وہابیہ کو امت سے نکال لینے کا کیا معنیٰ؟ ثانیاً صحاح ستہ وغیرہا کی صریح اور صحیح روایات میں احفاء الشارب مونچھوں کے بالکل صاف کرنے اور منڈانے کی تصریح ہے وہابیہ تو کہاں کے جائیں؟ و ثالثاً وکیل الاحناف ــــــ حضرت امام احمد بن محمد الطحاوی الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) حضرت ابو سعید الخدری، حضرت ابو اسید، حضرت رافع بن خدیج، حضرت سہل بن سعد، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں لکھتے ہیں یحفون شواربھم (طحاوی ج ۲ ص ۳۳۲) کہ یہ سب حضرات مونچھیں بالکل صاف کرتے اور منڈاتے تھے ان حضرات کے بارے میں کیا فیصلہ صادر ہوگا؟ کیا یہ حضرات اہل السنت میں شامل ہیں یا خارج؟ معاذ اللہ تعالیٰ۔ و رابعاً امام طحاویؒ پانچ سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ مونچھوں کو بالکل صاف کیا کرتے تھے چنانچہ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں ابن عمرؓ یحفی شاربہ کانہ ینتفہ کہ حضرت ابن عمرؓ مونچھوں کو ایسا صاف کرتے تھے کہ گویا وہ انکو چٹکی سے اکھاڑتے ہیں اور ایک روایت میں آتا ہے کان یحفیہ حتی ان الجلد لیری۔ کہ وہ مونچھوں کو ایسا صاف کرتے کہ چمڑا بالکل نظر آتا تھا (طحاوی ج ۲ ص ۳۳۳) اگر غنیۃ الطالبین میں ان سے نقل کردہ روایت صحیح ہوتی تو وہ ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتے و خامساً مولوی محمد عمر صاحب حنفی ہونے کا بے جا دعوے کرتے ہیں اور اس نظریہ سے انہوں نے مقیاس الحنفیت لکھی ہے مگر ان پر جہالت کا اتنا غلبہ ہے کہ مونچھوں کے سلسلے میں ان کو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہی معلوم نہیں علامہ بدر الدین العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

وذكر الطحاوي ان حلق الشارب هو السنة عند ابي حنيفةؒ لقوله عليه السلام احفوا الشوارب الخ (شرح العینی علی الکنز ص ۸۳)

امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مونچھوں کا منڈوانا ہی سنت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مونچھیں منڈواؤ۔

حضرت امام طحاویؒ اپنی بے نظیر کتاب شرح معانی الآثار میں اس عنوان سے باب قائم کرتے ہیں باب حلق الشارب یعنی وہ باب جس میں مونچھیں منڈوانے کا ذکر ہے پھر آگے اپنی عادت کے مطابق علمی بحث کرتے ہوئے نقلی اور عقلی دلائل سے مونچھوں کے منڈوانے کو ترجیح دیتے ہوئے فیصلہ یوں کرتے ہیں :-

حکم الشارب قصہ حسن واحفاءہ احسن وافضل وھذا مذھب ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ ومحمدؒ (طحاوی ج ۲ ص ۲۷۵)	مونچھوں کے بارے میں فیصلہ اور حکم یہ ہے کہ مونچھوں کو قینچی سے کاٹنا اچھا ہے اور منڈوانا احسن اور افضل ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہی مذہب ہے۔

اب مولوی محمد عمر صاحب ہی یہ بتائیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ مونچھیں منڈوانے کا مسلک اختیار کر کے امت میں رہے ہیں یا معاذ اللہ تعالیٰ امت سے خارج ہو گئے ہیں ؟ بات بالکل صاف صاف ہو گئی لیکن رہ ہوا اہل حق کو اُمت سے خارج کرنے والے کاش کہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود اپنا انجام بھی دیکھ لیں شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے ؂

شیشے کے گھر میں رہ کر پتھر نہ پھینکئے ۔۔۔ دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

خاتمہ

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم فریقِ مخالف کے دلائل پر بھی سرسری نگاہ ڈالیں کہ مصیبت کے وقت متصرف جان کر غیر اللہ کو پکارنا وہ کس طرح جائز اور صحیح سمجھتے ہیں اور ان کے دلائل کیا ہیں؟

فریقِ مخالف اور قرآنِ کریم

جہاں تک راقم الحروف کو معلوم ہے فریقِ مخالف قرآنِ کریم کی ایک بھی صریح آیت اس پر پیش نہیں کر سکتا کہ سلسلہ اسباب و مسببات سے بالاتر ہو کر یا فوق الاسباب طریق پر مصیبت کے وقت حاجت روا اور متصرف سمجھ کر خدا تعالیٰ کے پیغمبروں اور بزرگوں کو پکارنا جائز ہے اور اس پر فلاں آیت موجود ہے۔ یعنی یہ کہ بزرگ، بعد مرنے کے خود اپنی قبروں میں آرام فرما رہے ہوں اور نظروں سے اوجھل ہوں اور ان کو پکارا جائے۔ اگرچہ ان کو مافوق الاسباب طور پر سفارشی ہی تسلیم کیا جائے اور صاف لفظ دعائیہ نکلتے ہوں، بہرصورت یہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ ماتحت الاسباب کی استعانت اور تعاون کی آیات پیش کی جائیں! معجزات اور کرامات سے استدلال ہو کیونکہ یہ سب امور مفروغ عنہا ہیں (ملاحظہ کیجئے راقم کی کتاب "راہِ ہدایت") اگر ہے کسی میں ہمت تو بتلائے وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ۔

بخلاف اس کے ہم قرآن کریم ہی سے بہت سی آیات پیش کر چکے ہیں کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارنے والا سب سے بڑا گمراہ ہوتا ہے اور اس کا یہ فعل شرک بھی ہے

اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت بھی۔ آپ دلائل کا مطالعہ فرمالیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فریق مخالف اور احادیث

اس مقام پر زیادہ تفصیل تو نہیں کی جائے گی کیونکہ تنقید پر الہنوز اور ازالۃ الریب میں اس کی پوری تشریح کر دی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اثبات عقیدہ کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی قرآن کریم اور احادیث متواترہ۔ لیکن آپ یقین جانئے کہ غیر اللہ کو طریق سابق سے پکارنے پر نہ تو کوئی قرآن کریم کی آیت موجود ہے اور نہ ہی خبر متواتر۔ اور خبر واحد کا قرآن کریم کی سابقہ پیش کردہ آیات کے مقابلہ میں پیش کرنا، اصول موضوعہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ مولوی احمد رضا خان صاحب قائد فریق مخالف کے نزدیک ہرزہ بافی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے"۔ (الفیوض الملکیہ ص ۱۵۲ وانباء المصطفیٰ ص ۴ والفظ لہ)

حضرات! خان صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ غیبت میں غیر اللہ کو پکارنے پر نص قرآنی پیش کرتے، اور حدیث متواتر کو اس پر دلیل لاتے۔ مگر افسوس کہ خان صاحب اس سے بالکل عاجز ہے اور جو حدیثیں انہوں نے نداء غیر اللہ پر پیش کی ہیں، وہ ضعیف اور موقوف ہیں اور ضعیف ہونے کے ساتھ ان کا مطلب بھی خان صاحب کو چنداں مفید نہیں، اور دوسرے لوگوں نے جو حدیثیں اس پر پیش کی ہیں وہ بھی ضعیف اور کمزور ہیں مثلاً بعض حدیثیں یہ ہیں :۔

(۱) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا پاؤں ایک دفعہ سو گیا۔ کسی نے کہا کہ :۔

اذکر احب الناس الیک فقال یا محمداہ (ابن سنی ص ۵۹ وادب المفرد)

انہیں یاد کیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تو حضرت ابن عمرؓ نے کہا یا محمداہ۔

(ص۱۴۲ کتاب الاذکار ص۲۳۵ و شرح شفاء علی القاری ج۲ ص۱۷ و شرح شفاء الخفاجی ج۳ ص۳۹۶)

جوابِ اوّل: یہ حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں اور پھر ہے بھی ضعیف۔ اس کی کوئی سند بھی جرح سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس کی ایک سند میں ابو شعبہ نامی راوی ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ (میزان ۲ ص۳۹۲ و لسان ۶ ص۳۹۴)

دوسری سند میں محمد بن مصعب ہے۔ امام نسائیؒ کہتے تھے ضعیف ہے۔ امام ابو حاتمؒ کہتے تھے، اس کی حدیث ضعیف ہے۔ علامہ خطیبؒ کہتے ہیں، کثرت سے غلطیاں کرتا تھا۔ عبد اللہؒ بن سیارؒ فرماتے ہیں، ضعیف تھا۔

ابو احمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ محدثینؒ کے نزدیک ضعیف تھا۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں، اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ (تہذیب ۹ ص۴۵۹ و میزان ۳ ص۱۲۷)

تیسری سند میں زہیرؒ بن معاویہؒ عن ابی اسحاقؒ الخ ہے۔ زہیرؒ اگرچہ ثقہ تھے، لیکن محدثینؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کی وہ حدیث جو ابو اسحاقؒ کے طریق سے ہو گی وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب ص۱۳۰ میں اور علامہ ذہبیؒ نے میزان ۱ ص۳۵۵ میں اور امام ابو حاتمؒ نے (بحوالہ تہذیب ۳ ص۳۵۲) اس کی تصریح کی ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تب بھی یہ خبر واحد ہے علاوہ ازیں سند میں بعض راویوں کا حال بھی آپ نے دیکھ لیا لہٰذا باب عقائد میں اُن کی روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

یہ مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کمال ہے کہ یوں لکھتے ہیں:-

(۱) عبد اللہؓ بن عمرؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ مصیبت یا محمداہ یعنی متصرف فی الامور سمجھ کر غائبانہ اپنی حاجت میں پکارنا۔

(۲) یا حرفِ ندا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنا الخ (مقیاس ص۲۸۶)

جوابِ دوم:- یہ حدیث موقوف اور ضعیف ہونے کے ساتھ فریقِ مخالف کو چنداں مفید بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں اذکر کا لفظ ہے ادع کا نہیں، اور حرفِ ندا

قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (شرح مائۃ عامل ص۳۴) وغیرہ۔
اور اشتیاقاً حرف یا سے کسی کا ذکر کرنا جب کہ اس کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب اور متصرف فی الامور نہ سمجھے، صحیح ہے۔ اور اکثر حضرات صوفیاء کرامؒ اور بزرگان دینؒ سے اسی معنیٰ میں یا رسول اللہ مروی ہے۔ چنانچہ فریق مخالف کے محقق اور مسلّم عالم مولوی عبد السمیع صاحب نے اس پر باولائل بحث کی ہے کہ سلف صالحین یا رسول اللہ وغیرہ کے الفاظ سے محض غلبہ اشتیاق مراد لیتے تھے نہ کہ حاضر و ناظر وغیرہ (ملاحظہ ہو انوار ساطعہ از ص۲۲۷ تا ص۲۲۹ یہ پورے مفصل حوالے پہلے بیان ہو چکے ہیں) لیکن اگر کوئی شخص خان صاحب کی طرح یہ شق ہی متعین کرے کہ میں تو مدد کے لیے پکارتا ہوں تو البتہ ناجائز ہو گا۔
خان صاحب فرماتے ہیں سے

بیٹھتے، اٹھتے مدد کے واسطے یا رسول اللہ کہا، پھر تجھ کو کیا؟
(حدائق بخشش ۲ ص۵)

اور اس کے ناجائز ہونے پر سابقہ آیات و دلائل ہی کافی ہیں۔
(۲) ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کا پاؤں سو گیا اور انہوں نے یا محمداہ کہا۔ (کتاب الاذکار وغیرہ)
جواب:- اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ امام یحییٰؒ کہتے تھے، ثقہ نہ تھا۔ جوزجانیؒ کہتے ہیں کہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ (میزان ۲ ص۳۲۳)
(۳) حضرت عبد اللہؓ بن مسعودؓ سے ایک حدیث آئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہاری سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہیے۔

یا عباد اللہ اعینونی (وفی روایۃ) اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔
یا عباد اللہ احبسوا فان للہ فی الارض اے اللہ کے بندو اس کو روکو

حاضرُ (وفی روایۃ عباداً) یَنْحَبِسُہٗ ۔ (مجمع الزوائد ۱۰ صـ۱۳۲ و ابن سنی صـ۱۶۲ و حصن حصین صـ۱۹۲ و کتاب الاذکار صـ۲۰۱) کیونکہ وہاں کچھ ایسے لوگ حاضر ہوتے ہیں جو اس کو روک لیں گے۔

جواب اوّل:۔ یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ہے۔ علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے (مجمع الزوائد ۱۰ صـ۱۳۲) امام ابن عدیؒ کہتے ہیں منکر الحدیث ہے (میزان ۳ صفحہ ۱۸۳) امام ابو حاتمؒ کہتے تھے مجہول ہے۔ (لسان المیزان ۶ صـ۶۱)

دوسری سند حضرت عتبہؓ بن غزوان تک پہنچتی ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بلیکن اس سند میں حسب تصریح علامہ ہیثمی رحمہ ورجالہ وثقوا علی ضعف فی بعضھم۔ بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ زید بن علی راوی کی حضرت عتبہؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔ اور نہ اس نے ان کو دیکھا ہے اور نہ ان کا زمانہ پایا ہے۔ لہٰذا یہ روایت حضرات محدثینؒ کی اصطلاح میں منقطع ہے جو ضعیف ہوتی ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰ صـ۱۳۲)

جواب دوم:۔ اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پر ذرا نگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں کچھ خدا تعالیٰ کے بندے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں بستے ہیں، جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو، تو یہ کہا کرو، اعینوا عباد اللہ۔ (مجمع الزوائد ۱۰ صـ۱۳۲، وقال رجالہ ثقات)

تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا۔ بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں۔ ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب کا کمال دیکھئے وہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے صاف

ثابت ہوگیا کہ اولیاء اللہ کو متصرف فی الامور سمجھ کر حاجات کے لیے غائبانہ پکارنا جائز ہے۔ (مقیاس ص۳۸۶) سبحان اللہ تعالیٰ

(۴) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر جنگل میں کسی درندہ یا شیر کا خوف ہو تو اعوذ بدانیال علیہ السلام کہا کرو کہ میں حضرت دانیال علیہم السلام کی پناہ چاہتا ہوں۔ (حیاة الحیوان جلد اول ص و ابن سنی ص۱۱۳)

جواب:۔ حدیث موقوف ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے۔

کیونکہ اس میں متعدد راوی ضعیف اور کمزور ہیں۔ جو ساقط الاعتبار ہیں

پہلا راوی عبدالعزیز بن عمران ہے۔ امام بخاریؒ، ابن معینؒ، نسائیؒ، ابن حبانؒ، ابوحاتمؒ، ابوزرعہؒ، ترمذیؒ، دارقطنیؒ اور عمر بن شبہؒ سب اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ (تہذیب ۶ ص۳۵۱)

دوسرا راوی ابن ابی حبیبہ ہے جس کا نام ابراہیم بن اسمٰعیل ہے۔

امام بخاریؒ اس کو صاحب مناکیر کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ، دارقطنیؒ، ابن معینؒ، ابوحاتمؒ، ابواحمد الحاکمؒ، عقیلیؒ، ترمذیؒ، ابن حبانؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ (میزان ۱ ص۱۱ و تہذیب ۱ ص۱۰۴)

تیسرا راوی داؤد بن حصین ہے۔ امام ابن عیینہؒ، ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ، جوزجانیؒ، سعدؒ بن ابراہیمؒ مطلقاً اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ اور امام ابن مدینیؒ، ابوداؤدؒ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وہ حدیث جو عکرمہؓ سے ہو وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ (میزان ۱ ص۳۱۶ و تہذیب ۳ ص۱۸۱) اور یہ روایت بھی عکرمہؓ سے ہے۔ لہٰذا یہ بالاتفاق ضعیف ٹھہری۔

(۵) ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت بلالؓ بن الحارث المزنی نے قحط سالی میں یامحمداہ کہا تھا۔ (کامل ابن عدی)

جواب:۔ کامل ابن عدی چوتھے درجے کی کتابوں میں سے ہے اور اس طبقہ کے بارے میں حضرات محدثین کرامؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ: ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود۔ (عجالہ نافعہ ص) ہاں اگر اصول حدیث کے رو سے اس طبقہ کی کوئی حدیث بسند صحیح ثابت ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں یہ الفاظ انہوں نے

آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر کہتے تھے (تسکین الصدور طبع دوم ملاحظہ فرمائیں) لہٰذا یہ غائبانہ پکار کی مد میں نہیں ہے۔

(۶) ایک یہ بات بھی پیش کی جاتی ہے کہ عبد الرحمٰن مسعودی کی ٹوپی میں محمد یا منصور لکھا ہوا تھا۔ (تہذیب)۔

جواب :- حضرات محدثین کرام تو ان کی روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں، ان کا فعل کیسے حجت ہو سکتا ہے؟ علامہ زیلعیؒ حنفی لکھتے ہیں۔ ضعیف (زیلعی ص ۳۴۳) اور یہ اتنے مجذوب اور بے خبر ہو گئے تھے کہ چیونٹیاں ان کے کان میں داخل ہو جاتی تھیں۔ (میزان ۲ ص ۱۱۱) نیز یہ روایت مخالفین کو مفید بھی نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۷) ایک حدیث یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر اللہ تعالیٰ سے بار بار عرض کرنے سے پچاس نمازوں کی بجائے صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرنے زندوں کے کام آسکتے ہیں اور ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر مصیبت کے وقت ان کو پکارا جائے تو کیا حرج ہے؟ (ملاحظہ ہو جاء الحق ص ۱۹۶ وغیرہ)۔

جواب :- سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس سے غائبانہ امداد طلب کرنے کا جواز ثابت کرنا بالکل باطل اور حدیث کی تحریف ہے۔ کیونکہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غائبانہ پکارا اور نہ ہی ان سے مدد طلب کی بلکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں، آپ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکتی، آپ اپنے رب کے ہاں تخفیف کا مطالبہ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر عمل کیا اور خود جناب باری سے تخفیف کا مطالبہ۔ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غائبانہ پکارا اور نہ ان کو لطور سفارش پیش کیا گیا، بلکہ جب ان سے ملاقات ہوئی تو ان سے سابقہ تجربہ کی بنا پر ان کے بتلائے ہوئے مشورہ پر عمل کیا۔ آج بھی اگر کسی شخص کی

خواب یا بیداری میں کسی مردہ سے ملاقات ہو جاتے اور وہ کسی دینی یا دنیوی امر میں مشورہ دے تو وہ قبول کیا جا سکتا ہے اور ہم اس کو شرک نہیں کہتے۔ الغرض اس حدیث سے جو چیز ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مردہ سے بیداری یا خواب میں ملاقات ہو جائے اور بالمشافہ آپس میں گفتگو ہو تو مردہ جو مشورہ دے اس پر عمل کرنا شرک نہیں۔ اور جو چیز اس حدیث سے فریق مخالف ثابت کرتا ہے کہ مردہ کو غائبانہ یا اس کو حاضر ناظر جان کر مصیبت کے وقت پکارا جا سکتا ہے یا غائبانہ اس کو بطور سفارش پیش کیا جا سکتا ہے تو اس چیز کا ثبوت اس حدیث سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر واقعی اس حدیث سے ایسا ثبوت ہوتا، تو حضرات صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ ضرور مصیبت کے وقت غائبانہ امداد طلب کرنے پر اس حدیث کو دلیل پیش کرتے اور قرآن کریم میں ما فوق الاسباب طریق پر پکارنا ناجائز نہ ہوتا کیونکہ محال ہے کہ دو متضاد حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرف سے پیش کیے جائیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ مصیبت کے وقت غائب کو پکارنے کا ثبوت اس حدیث سے قطعاً نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا معنیٰ مراد لینا اس حدیث کی صریح تحریف ہے۔

(۸) ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ساریہؓ بمعہ فوج کے نہاوند کے مقام پر دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار تھے کہ دشمن نے عقب سے حملہ کرنے کی کوشش کی حضرت عمرؓ نے مسجد نبویؐ کے ممبر پر یہ ارشاد فرمایا :- یا ساریۃ الجبل الجبل! یعنی اے ساریہؓ! پہاڑ کی طرف دیکھو اور دشمن سے بچو۔ چنانچہ انہوں نے آواز سن لی اور جان بچالی۔ معلوم ہوا کہ غائب بھی مدد کر سکتا ہے۔

جوابِ اوّل :- یہ روایت بیہقیؒ، ابو نعیمؒ اور خطیبؒ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے (السیرۃ المحمدیہ ص۲۹۹) ابو نعیمؒ اور خطیبؒ کی کتابیں طبقہ رابعہ میں ہیں (عجالہ) اور ہم طبقہ رابعہ کے بارے میں حضرات محدثین کرامؒ کا نظریہ پہلے بیان کر چکے ہیں اور امام بیہقیؒ کی کتابیں طبقہ ثالثہ میں ہیں (عجالہ ص۶) اور اس طبقہ کا حکم یہ ہے :- اور اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شدہ اند بلکہ اجماع بر خلاف آنہا منعقد گشتہ

(جبالرسوخ) اِلٰہذا قرآن کریم کی سابقہ آیات کے مقابلہ اور عقیدہ میں اس کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ یہ حدیث صحیح بھی ہو اور ظن غالب بھی یہی ہے کہ یہ سنداً صحیح ہے مگر بحث باب عقائد کی ہے۔

جواب دوم:- اس سے فریق مخالف کا استدلال صحیح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت حضرت عمرؓ کے سامنے نہاوند کا معرکہ پیش کر دیا تھا اور انہوں نے آواز دی تو اللہ تعالیٰ نے وہ آواز وہاں پہنچا دی۔ آج بھی اگر کسی غائب کو کسی کی حالت ناگفتہ بہ کا کشف وغیرہ سے علم ہو جائے اور وہ آواز کرے اور اس کی آواز کو سن کر اگر کوئی اپنے بچاؤ کا از خود انتظام کرے تو صحیح ہے۔ لیکن جو لوگ بزرگوں کو پکارتے ہیں ان کو کسی غائب کیطرف سے کبھی آواز نہیں سنائی دی گئی اور نہ ہی خطرے کا الارم ہوا ہے تو اس کرامت پر دیگر واقعات کو قیاس کرنا باطل ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ بھی زندہ تھے اور حضرت ساریہؓ بھی۔ اس لیے اس سے زندہ کا غائب مردہ سے استغاثت کرنا قیاس مع الفارق ہے پھر حضرت ساریہؓ کو آواز سننے سے قبل یہ وہم بھی نہ ہوا ہو گا کہ میں نے حضرت عمرؓ سے استعانت کرنی ہے اور یہ بھی نہ بھولیے کہ اگر حضرت عمرؓ کو ما کان وما یکون کا علم ہوتا اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیارات دیئے گئے ہوتے تو ابو لولو مجوسی سے اپنی اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ (جو تقریباً ایک درجن تھے) کی جان بھی کیوں نہ بچا لیتے؟ جو اس واقعہ کے بعد کا اور شہادت سے پہلے کا حادثہ ہے۔

جواب سوم:- اس روایت سے مدد مانگنے والے کا غائبانہ پکارنا ثابت ہو گا نہ کہ مدد طلب کرنے والے کا پکارنا۔ اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علاوہ بریں کیا بعید ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بیت المقدس اور نجاشی کا جنازہ سامنے پیش کر کے حاضر کر دیا تھا، اسی طرح حضرت عمرؓ کے لیے بھی نہاوند کا واقعہ پیش کر دیا ہو۔

ؔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کا علم حضرت عمرؓ کو خواب کے ذریعے ہوا تھا اور انہوں نے یہ الفاظ کہتے وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر موجود رہتا ہے شاید وہ لشکر میری یہ بات ساریہؓ تک پہنچا دے چنانچہ اس لشکر نے یہ کلمات ان کو پہنچا دیئے۔ (البدایہ والنہایہ ۷، ص۱۳۱)

اس صورت میں غائب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رہا کنت سمعہ الذی یسمع بہ وغیرہ احادیث سے خدا تعالیٰ اور بندوں کے فعل کا اتحاد ثابت کرنا تو راقم نے اپنے رسالہ "حل کا سرور" میں نہایت شرح اور بسط سے اس پر کلام کیا ہے۔ وہاں ہی دیکھ لیا جائے۔

الحاصل مافوق الاسباب طریق پر مصیبت کے وقت پکارنے پر کوئی نص قطعی اور حدیث صحیح اور صریح موجود نہیں ہے بخلاف اس کے ممانعت پر دلائل اور براہین کا انبار موجود ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بیشتر سلسلۃ الضعف سے استعانت، اور استعاذہ از غیر اللہ ثابت ہو رہا ہے اور وہ بھی قرآن کریم کے مقابلہ میں۔ فواسفا!

حضرات! اسی قسم کی روایات اور بھی تابعین سے استعانت اور استمداد کی پیش کی جاتی ہیں۔ مگر ان کی طرف چنداں توجہ کی ضرورت نہیں۔

فریق مخالف اور بزرگان دین

بعض حضرات صوفیائے کرام سے اور بزرگوں سے اس قسم کی گول مول عبارتیں نقل در نقل ہوتی آ رہی ہیں کہ غیر اللہ سے اور خصوصاً بزرگان دین سے مدد طلب کی جا سکتی ہے اور مصائب کے وقت ان کو پکارا جا سکتا ہے۔

لیکن افسوس! کہ فریق مخالف نے کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی، اور نہ ہی عوام الناس کو سمجھنے دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی مسئلہ پر قرآن اور حدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو۔ تو ایسے مسائل میں کہہ سکتے ہیں کہ حسن ظن کرتے ہوئے بزرگوں کی بات مان لو۔ لیکن جس مسئلہ پر قرآن کریم نے دلائل کا انبار لگا دیا ہو اور احادیث نبوی علی صاحبہا الف الف سلام نے براہین کے دریا بہا دیئے ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے مغلوب الحال صوفیوں اور مولویوں کی باتیں کیسے مانی جا سکتی ہیں؟

یہی کیا جائے گا کہ اگر ان میں مناسب تاویل ہو سکے تو تاویل کر دی جائیگی ورنہ

ان کی بات مردود ٹھرائی جائے گی اور ان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

ایسی عبارات اور اقوال کے سلسلہ میں خود خان صاحب بریلوی کا ارشاد کافی ہے۔ وُہ عرسوں میں قوالوں کے ڈھول، سارنگی، باجے اور بانسری وغیرہ کے شرعاً ممنوع ہونے پر بحث کرتے ہوئے بخاری شریف (ج ۲ ص ۸۳۷) کی ایک حدیث شریف نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ضرور میری اُمت میں وہ لوگ آنے والے ہیں جو حلال ٹھرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو حدیث صحیح جلیل متصل الخ پھر آگے لکھتے ہیں کہ بعض جہال بدمست یا نیم مُلا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہاں حکایتِ فعل پھر کجا محرم کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے؟ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں (احکام شریعت حصہ اول ص ۲۶ طبع برقی پریس مرادآباد) ہماری طرف سے خود جناب خان صاحب اور ان کی ذریت کو ہر ایسے مقام پر یہی جواب کافی ہے جہاں وہ نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ وصریحہ اور محکمات کے مقابلہ میں قصے اور کہانیاں اور ضعیف حدیثیں اور بعض بزرگوں کی محتمل اور مجمل عبارات اور غیر مستند اور بے سروپا حوالے پیش کیا کرتے ہیں اور دلیل محرم کو چھوڑ کر مبیح کے چور دروازہ سے دین کی محفوظ عمارت میں داخل ہو کر اپنے باطل عقائد اور بدعات کے جواز اور حق ہونے اور اہل حق کے الزام ٹالنے کے لیے بے جا کوشش کیا کرتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ یہ عبارت ان کی ناکہ بندی کے لیے کافی ہے۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔

جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے

مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے چچا مولوی امام الدین صاحب وغیرہ کو ندائے غیر اللہ اور استعانت از غیر اللہ پر بڑا اصرار ہے لیکن اس پر اللہ تعالٰی کے کلام اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سے وہ کوئی صحیح حدیث اور صریح دلیل پیش نہیں کر سکتے اور مولوی محمد بشیر صاحب کے والد ماجد مولوی محمد شریف صاحب نے صاف طور پر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ حالانکہ بجز خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے کسی دوسرے کا قول ہم پر واجب نہیں۔ (انتہی العین صفحہ ۲۹) لہٰذا جو شخص اس مسئلہ پر قلم اٹھائے وہ استدلال صرف قرآن کریم اور صحیح حدیث پر بند رکھے اس کے علاوہ دوسروں کے اقوال اور عبارات سے استدلال نقل کرنے میں اپنا قیمتی وقت صرف نہ کرے۔

اس سے قبل کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی بعض عبارات پر اس مضمون کو ختم کر دیا جائے، عوام الناس کی تفریح کے لیے تین چیزیں پیش کی جاتی ہیں:-

(۱) عوام ایک حدیث بیان کیا کرتے ہیں:-

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور	جب تم کو کاموں میں پریشانی لاحق ہو تو اصحاب قبور سے استعانت کرو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور حدیث نیست قول بزرگیست وله معانی شتی منها اذا تحیرتم نظراً الی الدلائل المتعارفة فی حل بعض الاشیاء وحرمتها	"اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور (کہ جب تم معاملات میں حیران ہو جاؤ تو اصحاب قبور سے مدد حاصل کرو) یہ حدیث نہیں ہے بلکہ کسی بزرگ کا قول ہے اور اس کے مختلف معانی ہیں ایک یہ کہ جب تم بعض

فانشکوا اجتہادکم وتقلدوا بمن
قدمات وهذا القول اشبه منقول
عن عبداللہؓ بن مسعود وسفیان الثوریؒ
ومنها انکم اذا تحیرتم فی الامور
الدنیویة وضاق بسبب ذالک
قلبکم فانظروا الی اصحاب القبور
کیف ترکوا الدنیا واستقبلوا
الآخرة واعلموا انکم ایضا
صائرون الی ما صاروا وهذا العلم
یسهل علیکم مصائب الدنیا
وشدائدها وبالجملة نص در
معنی استمداد نیست انتهی۔
(فتاوی عزیزی جلد اول ص ۱۴۱
طبع مجتبائی دہلی)

اشیاء کی حلت اور حرمت کے مسئلہ میں متعارض
دلائل کی طرف نظر کرتے ہوئے پریشان ہو جاؤ
تو اپنا اجتہاد ترک کر دو اور ان حضرات کی تقلید کرو
جو وفات پا گئے ہیں (اور قبور میں جا پہنچے
ہیں) اور یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود اور
حضرت سفیان ثوریؒ کے منقول قول کے زیادہ
مشابہ ہے اور ایک معنی یہ ہے کہ جب تم دنیوی
امور میں پریشان ہو جاؤ اور اسکی وجہ سے تمہارا دل تنگ
ہو جائے تو تم اصحاب قبور کو دیکھو کہ انہوں نے کس طرح دنیا
ترک کر دی اور آخرت کی طرف متوجہ ہو گئے اور تم بھی جان
لو کہ تمہارا بھی وہی (قبور) ٹھکانہ ہے جہاں وہ پہنچ چکے
ہیں اور اسکا علم تمہارے اوپر دنیا کی مصیبتوں اور شدائد کو
آسان کر دیگا خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ قول استمداد (از اہل قبور)
میں نص نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نہ تو یہ حدیث ہے اور نہ اس کا وہ معنیٰ ہے جس کو قبر پرست مراد لیتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کے جس قول کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مشکوٰۃ ج ا ص ۳۲ میں من کان مستنا فلیستن بمن قد مات الخ کے الفاظ سے بحوالہ رزین منقول ہے۔

(۳) بہار شریعت ج ۱۰ ص ۱۷ اور جاء الحق ص ۱۹۰ میں در مختار (یہ عبارت درمختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۴۲۹ میں ہے) کی ایک عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ مفتی احمد یار صاحب یوں کرتے ہیں جب کسی کی کوئی چیز گم جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس دیں کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام

کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد بن علوان کو۔ پھر یہ دعا پڑھے اے میرے آقا اے احمد اے ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمشدہ چیز اُن کی برکت سے ملا دے گا۔ اس دعا میں سید احمد علوان کو پکارا بھی اُن سے گمشدہ چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب در مختار نے۔

الجواب :۔ اس عبارت سے سید احمد بن علوانؒ سے استعانت پر استدلال غلط ہے۔ کیونکہ اس عبارت کے اول میں وَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرُدَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ اور آخر میں فَاِنَّ اللّٰہَ یَرُدُّ ضَالَّتَہٗ بِبَرَکَتِہٖ کے الفاظ صراحت کے ساتھ موجود ہیں یعنی جب کوئی شخص گمشدہ چیز کو طلب کرنے کا ارادہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ وہ چیز اس کو واپس کرے تو وہ یہ دعا پڑھے جب پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سید احمد بن علوانؒ کی برکت سے وہ چیز اس کو لوٹائے گا اور اس عبارت میں اس کی بھی تصریح ہے کہ لوٹائے گا تو اللہ تعالیٰ ہاں اس میں سید احمد کی برکت اور طفیل و وسیلہ شامل ہے اور توسل کا مسئلہ ہی الگ ہے۔ مفتی احمد یار خاں صاحب نے عربی کی عبارت میں اِنْ لَّمْ تَرُدَّ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ میں جہالت یا خیانت کی وجہ سے مجہول کا صیغہ معروف کا بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی ناکام سعی کی ہے کیونکہ جب عبارت کے اوّل اور آخر میں حقیقۃً رد کرنے کا فاعل اللہ تعالیٰ موجود ہے تو پھر لوٹانے کی حقیقۃً نسبت سید احمد بن علوانؒ کی طرف کیسی؟ معنی تو یہ ہے کہ اگر میری گمشدہ چیز مجھے واپس نہ لوٹائی گئی (لوٹانے والا کون وہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے) تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ ولی ہی نہیں اور پھر آپ کا توسل اور برکت کس کام کی؟

اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ

”وہابی کیا شیطان بھی غائبانہ امداد کر سکتا ہے؟ محمد عمر عفی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ الخ (مقیاس ص ۲۹۲)

الجواب :۔ مولوی صاحب کے نزدیک جب شیطان سے بھی غائبانہ استمداد کی جا سکتی ہے تو پھر حضرات اولیاء کرامؒ کی کیا خصوصیت ہے؟ اور اس آیت میں غائبانہ استمداد

کا ثبوت کہاں سے ہے؟ اور شیاطین سے ایک شیطان سمجھ لینا کہاں کا انصاف ہے؟

(۳) رافضیوں نے ایک شعر بنایا تھا اور اس کو بعض سُنّی حضرات بھی بڑے جذبہ اور شوق سے پڑھا کرتے ہیں بلکہ بعض مسجدوں اور گھروں کے دروازوں پر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے۔

لِیْ خَمْسَةٌ اُطْفِیْ بِهِمْ حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَة
الْمُصْطَفٰی وَالْمُرْتَضٰی وَابْنَاهُمَا وَالْفَاطِمَة

(میرے حبیب پانچ ہیں، میں ان کی مدد سے توڑ دینے والی وبا کی گرمی بجھاتا ہوں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم، حضرت علی المرتضیٰؓ، ان کے دو بیٹے حضرت حسنؓ اور حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ (یعنی بقول شیعہ پنجتن پاک)

اگر اس شعر میں کہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تو ہم اس کی تاویل کر دیتے کہ ان پانچ حضرات کو بطور توسل پیش کیا گیا ہے لیکن اس کا ذکر نہیں اور ظاہری الفاظ آپ سمجھتے ہی ہیں کہ کیسے ہیں؟

موحّد کو بھی حق حاصل ہے کہ کہے۔

لِیْ وَاحِدٌ اُطْفِیْ بِهٖ حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَة
اَللّٰهُ رَبُّ الْمُصْطَفٰی وَاَصْحَابِهٖ وَالْفَاطِمَة

(میرے لیے صرف ایک ہی ذات ہے جس کی مدد سے میں سخت وبا کی گرمی بجھاتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرت فاطمہؓ کا رب ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں، چنانچہ بعضے وظیفہ "بہاء الدین مشکل کشا" درنشست وبرخاست اشتغال داشتند خود را از محبان حضرت عالمین علیہ الرحمۃ شمردہ اند وبعضے برائے کشائش رزق "یا نظام الدین اولیاء زری بخش" خواندہ اند وگروہے اختراع کردہ اند کہ از برائے ہر مہم وردیا شیخ عبد القادر جیلانی شیئًا للہ کفایت می کند۔ خبردار باید شد کہ ایں ہمہ افترا و بہتان است و مثل ایں معنی اصلا از

اہل طریقت مستقیم روایات نمی کنند واز مردم ثقہ مروی نشدہ است ۔

(البلاغ المبین[1] ص ۹۲)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

"دریں کلام خدا تعالے را شفیع گردانیدہ اند و حضرت شیخ را دہندہ و حقیقت بالعکس می نماید ۔ (البلاغ المبین ص ۱۲۵)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :۔

فاعلم ان طلب الحوائج من الموتیٰ عالماً بانہ سبب لانجاحہا کفر یجب الاحتراز عنہ تحرمہ ھٰذہ الکلمۃ والناس الیوم فیہا منہمکون بلفظہ (الخیر الکثیر ص ۱۰۸)

جاننا چاہیئے کہ مردوں سے یہ جانتے ہوئے حاجتیں طلب کرنا کہ وہ حاجات پورا ہونے کا محض سبب ہیں خالص کفر ہے اس سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس کو یہ کلمہ (شہادت) حرام قرار دیتا ہے مگر لوگ اس میں (بکثرت) اس زمانہ میں مبتلا ہیں ۔

غور کیجئے کہ حضرت شاہ صاحب مردوں سے حاجات طلب کرنے کو (اور وہ بھی محض ان کو سبب سمجھ کر) کفر قرار دیتے ہیں ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی غائبانہ مردوں سے حاجت طلب کرے گا تو وہ ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب مانے گا اور پہلے باحوالہ گذر چکا ہے کہ من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر لہذا اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ بزرگوں کی حاضری ان کی حاجات کے پورا ہونے کا سبب ہے تو اس میں وہی حاضر و ناظر وغیرہ کا مسئلہ شامل ہو جاتا ہے ۔

---

[1] بعض حضرات نے جن میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی شامل ہیں البلاغ المبین کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تالیف تسلیم نہیں کیا ہے مگر کوئی مسئلہ اس پر موقوف نہیں ہے ان کی حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ وغیرہ کی عبارتیں اس سے بھی زیادہ واضح ہیں جو پہلے گذر چکی ہیں لیکن مولوی محمد عمر صاحب البلاغ المبین کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیف قرار دیتے ہیں (مقیاس الحنفیت ص ۵۹۶ طبع چہارم)

اور بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ "طلب مراد من غیر اللہ، مسئلہ، اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر گواہ ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اولیاء معدوم کو پیدا کرنے یا موجود کو نابود کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ (یہ الگ بات ہے کہ مفتی احمد یار خاں صاحب کے شیخ صلاح الدین آسمان کو زمین پر گرا اور تمام دنیا والوں کو ہلاک کر سکتے ہیں، دیکھیے جاء الحق ص۱۸۷) پس پیدا کرنے، نابود کرنے، رزق پہنچانے، اولاد دینے، بلا دُور کرنے، مرض سے شفاء بخشنے وغیرہ کی نسبت ان سے مدد طلب کرنا کفر ہے" (ارشاد الطالبین ص۲۰)

نیز وہ لکھتے ہیں کہ "مسئلہ:۔ وہ جو بعض جاہل لوگ کہتے ہیں یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ یا یوں کہ یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ، یہ جائز نہیں بلکہ شرک اور کفر ہے۔" (ارشاد الطالبین ص۲۱)

اب مفتی احمد یار خان صاحب خود ہی اپنے اس قول کا کہ "اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگنا جائز ہے" (جاء الحق ص۱۸۳) ان عبارات سے موازنہ کر لیں۔

اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ "انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سے استعانت وہابیہ کے نزدیک شرک ہے اور عقیدۂ دیوبندیہ بھی یہی ہے اور احناف کے نزدیک از روئے (تحریف) قرآن و حدیث استعانت جائز ہے، اب تم سوچو کہ کون ہو؟" (بلفظہٖ مقیاس ص۲۷۵)۔

مولوی محمد عمر صاحب ہی کو خوفِ خدا اور انصاف کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم صحیح احادیث اور عبارات بالا کی روشنی میں سوچنا چاہیے کہ وہ خود کون ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

قارئین کرام! اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریق پر پکارنا شرک ہے۔ مافوق الاسباب کی اور مسئلہ توحید

کے بعض پہلوؤں کی مزید تشریح کے لیے "راہِ ہدایت" اور "دل کا سرور" ملاحظہ کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی شرک و بدعت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین!

یاد رہے کہ اس کتاب میں ہر استدلال صرف نصِ قرآنی ہی سے کیا گیا ہے۔ البتہ اس کی تائید میں احادیث صحیحہ اور عبارات حضرات فقہائے کرامؒ وغیرہا پیش کی گئی ہیں۔ اس لیے گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کرنے والے حضرات اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد خاتم الانبیاءؑ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وجمیع امتہٖ الیٰ یوم الدین۔ آمین ثم آمین

ابوالزاہد محمد سرفراز

خطیب جامع مسجد گکھڑ وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

برادران اسلام سے مخفی نہیں ہے کہ اس پرفتن دور میں جو مذاق دین سے اڑایا جاتا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے اڑایا جاتا ہوگا۔ کہیں معجزہ اور کرامت کا استہزاء ہے تو کہیں نماز روزہ سے کہیں داڑھی کا تمسخر اڑایا جاتا ہے تو کہیں دستار اور مسواک سے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے والے وہ حضرات ہیں جو بزعم خویش مسلمان اور اسلام کے بڑے ہمدرد ہیں اور جناب امام الانبیاء سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی احادیث کا وہ مذاق اڑایا جا رہا ہے کہ الامان والحفیظ۔ حدیث شریف پر اس بیباکی اور کھلی جسارت کے اپنے نفس امارہ کی پیروی میں کلام کرنے والوں کے خرافات کو سننے سے قبل حیا سے کہیے کہ وہ آنکھیں بند کر لے غیرت سے کہیے کہ وہ گونگا بہرا اور جاہل ہو جائے شرم سے کہیے کہ وہ منہ چھپا لے کہ اب تو کاروبار ان لوگوں کا ہے جو حدیث رسول کو تسلیم کرنا گناہ عظیم سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی عالمگیر ذلت اور رسوائی کا اسے ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا واحد سبب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرنا ہے۔ اور قرآن کریم کے بعد حدیث شریف کو پس پشت ڈالنا ہے۔ آج کل جیسا کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب، جناب تمنا صاحب اور غلام جیلانی صاحب برق اس کفر و الحاد و زندقہ کو پھیلانے میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ غلام جیلانی صاحب برق کی کتاب "دو اسلام" کا بہترین اور مدلل جواب بصورت کتاب "صرف ایک اسلام" آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں ایسے مسکت اور دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں کہ منکرین حدیث کی تمام فریب کاریاں اور مکاریاں عیاں ہو جاتی ہیں۔ اور ہر طبقہ کے مسلمان اس سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور نہایت سہل اور سلیس اور بصراحت آیات اور روایات اور تاریخی واقعات سے لبریز ہے۔

نوٹ: منکرین حدیث کی کتاب "مقام حدیث" اور "طلوع اسلام" وغیرہ کی تردید میں قابل قدر کتاب "تحقیق حدیث" زیر ترتیب ہے۔ جس کے چھپنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ان کے تمام عقلی و نقلی اعتراضات کافور ہو جائیں گے۔

تین طلاقوں کے مسئلہ پر غیر مقلد عالم جناب مولوی محمد امین محمدی صاحب کے مقالہ کا مدلل جواب

اس کتاب میں جناب محمدی صاحب کے مقالہ کے جواب کے ساتھ تین طلاقوں کے مسئلہ پر غیر مقلدین حضرات کی طرف سے عام طور پر کیے جانے والے اعتراضات و مغالطات کا مدلل جواب۔ اور عمدۃ الاثاث پر کیے گئے بے جا اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اور تین طلاقوں کے مسئلہ کی آسان عام فہم انداز میں وضاحت کی گئی ہے۔

حافظ عبد القدوس خان قارن

جنت کے نظارے

یہ کتاب علامہ ابن القیم کی کتاب حادی الارواح الی بلاد الافراح کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں جنت اور اسکی نعمتوں کا ذکر صحیح احادیث کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اور جنت سے متعلق اس قدر معلومات دی گئی ہیں جو شاید ہی کسی اور کتاب میں مل سکیں۔ قیمت ۱۸۰ روپے

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا عادلانہ دفاع

یہ کتاب علامہ کوثری مصریؒ کی کتاب تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ ہے جسمیں ان اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں جو خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابو حنیفہؒ پر نقل کئے ہیں۔

قیمت۔ ۳۰ روپے

مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق صاحب اثری کا مجذوبانہ واویلا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب دام مجدہم کی کتابوں پر تنقیدی انداز میں ایک کتاب جناب اثری صاحب نے لکھی جسکا نام انھوں نے مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں رکھا۔ اس کتاب میں اثری صاحب کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

قیمت۔ ۹۰ روپے

تصویر بڑی صاف ہے سبھی جان گئے جواب آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے۔

جناب اثری صاحب نے ہماری کتاب مجذوبانہ واویلا کا جواب لکھا۔ یہ کتاب ان کے جواب کا جواب ہے۔ انشاءاللہ العزیز عنقریب منظر عام پر آرہی ہے

حمیدیہ ترجمہ وشرح اردو رشیدیہ

درس نظامی میں شامل فن مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ وآسان مختصر تشریح ہے۔

قیمت۔ ۵۵ روپے

خزائن السنن جلد اول از کتاب الطھارۃ تا کتاب البیوع / جلد دوم۔ کتاب البیوع

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر دام مجدہم جو ترمذی شریف پڑھاتے رہے۔ ان تقاریر کا مجموعہ کتاب البیوع تک خزائن السنن جلد اول کافی عرصہ پہلے شائع ہو چکا ہے کتاب البیوع پر مشتمل ابحاث جو مولانا صفدر صاحب کے بیٹے حافظ عبدالقدوس قارن نے طلبہ کو پڑھانے کے دوران جمع کیں ان کو خزائن السنن جلد دوم کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

قیمت جلد اول ۱۷۵، جلد دوم۔ ۹۰ روپے

بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں

ہر جگہ غیر مقلدین عوام الناس کو یہی باور کراتے ہیں کہ ہم بخاری شریف ہی کو اپنی دلیل مانتے ہیں۔ اس رسالہ میں تقریباً چار درجن مسائل کی نشاندہی باحوالہ کی گئی ہے جن مسائل میں غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کو نہیں مانتے۔

قیمت ۱۸ روپے

مروجہ قضاء عمری بدعت ہے

علامہ عبدالحی لکھنوی کی کتاب ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعہ رمضان کا اردو ترجمہ ہے۔ جسمیں بتایا گیا ہے کہ رمضان المبارک کے آخر جمعہ میں جو قضاء عمری کے نام سے لوگ نوافل پڑھتے ہیں ان کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ اور اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ فقہ کی کس قسم کی کتابوں سے فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور کس قسم کی کتابوں سے نہیں۔

قیمت ۲۰ روپے